انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

حیاتِ نو

مدیر: ابوالاعلیٰ سید سبحانی

ربیع الاول۔جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ / جنوری۔مارچ ۲۰۱۵ء شمارہ:۱، جلد:۲۹،

مجلس ادارت

محمد اسماعیل فلاحی .... علی گڑھ
سید راشد حامدی فلاحی ...... نئی دہلی
زبیر ملک فلاحی .... لکھنؤ
انیس احمد فلاحی .... جامعۃ الفلاح

فی شمارہ:	اندرون ملک	۳۰/روپے
	بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
سالانہ زرتعاون:	اندرون ملک	۱۲۰/روپے
	بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ:	اندرون ملک	۳۰۰۰/روپے
	بیرون ملک	۲۰۰/امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

خط وکتابت کے پتے

برائے ادارتی امور
ابوالاعلیٰ سید سبحانی، نئی دہلی
شاہین باغ، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵
+91-9891051676
abulaalasubhani@gmail.com

برائے انتظامی امور و ترسیل زر
سید راشد حامدی فلاحی
شاہین باغ، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵
+91-9811126467
s.rashidhamidi@gmail.com

نقوشِ حیات

اداریہ	ابوالاعلی سید سبحانی	۳
هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان	نسیم احمد غازی فلاحی	۵
ہمارے زمانے کا جامعہ	سید لطف اللہ قادری فلاحی	۸
محترم ناظم جامعہ سے ایک ملاقات	مدیر	۱۱
قرآن پاک میں اتحاد امت کی بنیادیں	ضمیر الحسن خاں فلاحی	۱۴
دعوت اسلامی میں خواتین کا مطلوبہ کردار	نسیم احمد غازی فلاحی، امیر احسن فلاحی، انعام اللہ فلاحی، عنایت اللہ خاں فلاحی، ام نبیل فلاحی، سمیہ سبحانی فلاحی، محمد صادق ظلی فلاحی، اسماء فیروز اعظمی فلاحی، مصباح الباری فلاحی	۲۴
اردو تراجم قرآن پر ایک تنقیدی نظر (۷)	ڈاکٹر محی الدین غازی	۴۶
نبیؐ اکرم کی تعلیمی تحریک	سعید اختر اعظمی	۵۶
علامہ شبلی: ایک آفاقی شخصیت	ڈاکٹر محمد افضل فلاحی	۵۸
وہ ایک لمحہ	آسیہ فلاحی	۶۵
شعر و نغمہ	عزیز نبیل، نعیم احمد غازی فلاحی، سید راشد حامدی فلاحی، سعید اختر اعظمی، محمد اکمل فلاحی، تنویر آفاقی فلاحی، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ضیاء، ضمیر اعظمی فلاحی	۷۰
آرزوئیں آج بھی یوں ڈھونڈتی ہیں آپ کو	ڈاکٹر محمد افضل فلاحی	۷۶
تعارف و تبصرہ	ادارہ	۷۸
آپ کے خطوط	قارئین	۸۱
جامعہ کے لیل و نہار	مصباح الباری فلاحی	۸۹
اخبار انجمن	ادارہ	۹۴

اپنی بات

وطن عزیز میں ہندو مسلم تعلقات کی ایک روشن تاریخ رہی ہے، یہ تاریخ ایک دو سال نہیں، بلکہ صدیوں پر مشتمل ہے۔ تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اہل اسلام کی آمد اور اشاعت اسلام کا آغاز عہد خلافت راشدہ ہی میں ہو گیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد مختلف صالحین نے یہاں اشاعت اسلام کے سلسلے میں قابل قدر کوششیں کیں۔ اس میں ان افراد کی کوششوں کا بھی دخل ہے جنہیں باقاعدہ سرکاری طور پر اشاعت اسلام اور دعوت اسلام کے مقصد سے بھیجا گیا تھا، اور ان لوگوں کی کوششوں کا بھی دخل ہے جو عرب سے بغرض تجارت یہاں تشریف لائے تھے۔

وطن عزیز میں اشاعت اسلام کے زمانے کی کوئی تحدید نہیں کی جا سکتی، یہاں اشاعت اسلام کا کام مختلف مراحل اور مختلف ادوار میں ہوتا رہا۔ مالابار سے بنگال تک، اور دکن سے کشمیر و پنجاب تک اشاعت اسلام کی مختلف تاریخ، مختلف مراحل اور مختلف اسباب نظر آتے ہیں۔ اس میں کہیں مسلم حکمرانوں کی جانب سے سرکاری سطح پر ہونے والی دعوتی کوششیں غالب نظر آتی ہیں اور کہیں بغرض تجارت تشریف لانے والے داعیان کرام اور صوفیاء عظام کی کوششیں نمایاں نظر آتی ہیں، جنہوں نے اپنی تمام تر سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے پر دعوت دین کا کام کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ یہاں رہنے والے مسلمانوں کی بڑی اکثریت نومسلمین کی ہے، جو دعوت دین کے نتیجے میں مشرف بہ اسلام ہوئی۔ دوسری جانب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہاں کی ایک بڑی اکثریت ہمیشہ سے اس عظیم نعمت سے محروم رہی ہے، تاہم اس بڑی اکثریت کے تعلقات اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ ہمیشہ خوش گوار رہے ہیں۔

یہاں کئی سو سال تک مسلمانوں نے حکمرانی کی، تاہم اس پورے دور میں، خواہ وہ عہد سلطنت ہو یا عہد مغلیہ، کہیں ہندوؤں اور دیگر برادران وطن کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہو، یا انہیں ان کے حقوق اور آزادیوں سے محروم رکھا گیا ہو، یا ان کے مذہبی امور میں کسی طرح کی بے جا مداخلت کی گئی ہو، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس پورے دور میں مسلم حکومت کو برادران وطن کا مکمل تعاون اور برادران وطن کو حکومت میں مطلوبہ حد تک اشتراک حاصل رہا ہے۔ پورے مسلم دور حکومت میں فوج اور سرکاری مناصب سے لے کر عدلیہ تک ہندوؤں اور دیگر برادران وطن کی مناسب نمائندگی رہی ہے۔

بدقسمتی سے بعد کے زمانے میں ملک کے حالات وہ نہیں رہے جو پہلے تھے۔مختلف اسباب کی بنا پر، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مسلم حکومت زوال سے دوچار ہوئی۔انگریزی استعمار کا دور آیا، اور ملک غلامی کی بیڑیوں میں جکڑ کر رہ گیا۔غلامی ملک کی مسلم وغیر مسلم تمام ہی عوام کا مشترکہ مسئلہ تھا، چنانچہ آزادی کی جدوجہد میں بھی مسلم وغیر مسلم سبھی نے مشترکہ طور پر حصہ لیا۔

آزادی کی طویل جدوجہد اور حکومت برطانیہ کے سیاسی حالات کی تبدیلی کے نتیجے میں انگریزی استعمار کو یہاں سے رخصت ہونا پڑا۔تاہم انگریز جس وقت ملک سے رخصت ہورہے تھے، اس وقت تک وہ اپنی سازشی پالیسیوں اور ملکی سماج کی تقسیم در تقسیم میں بہت حد تک کامیاب ہوچکے تھے۔ملک میں مختلف فسطائی تحریکوں کا قیام عمل میں آچکا تھا، ہندو مسلم فسادات کا ایک خطرناک سلسلہ شروع ہوچکا تھا، فرقہ وارانہ ہم آہنگی بری طرح متأثر ہوچکی تھی اور ہندو مسلم دونوں ہی سماج کے درمیان غلط فہمیوں کے نتیجے میں ایک خطرناک خلیج پیدا ہوچکی تھی، اور پھر سب سے خطرناک اور ہندوستانی تاریخ کا عظیم سانحہ (مذہب کے نام پر تقسیم ملک، اور اس کا ذمہ دار مسلمانوں کو ٹھہرانا) رونما ہوچکا تھا۔

یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ تبدیل ہوتے اس پورے منظر نامے میں ملت اسلامیہ ہند، بالخصوص اس کی قیادت کا کردار اس کے منصبِ امامت کے شایانِ شان نہیں رہا، اور وہ دوسروں کی سازشوں کا شکار ہوتی چلی گئی۔

صورت حال مزید خطرناک ہوتی جارہی ہے۔ملک کے موجودہ سیاسی حالات اور زمینی حقائق کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مسلم تعلقات کی خوشگوار یادوں کے باقی ماندہ نقوش بھی مٹتے جارہے ہیں۔فسطائی طاقتیں اپنے ناپاک عزائم کے لیے مستقل سرگرم عمل ہیں، اور ہندو مسلم منافرت میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہورہا ہے۔وہیں بحیثیت مجموعی ملت کی قیادت اس سلسلے میں ذرا بھی بیداری کا ثبوت دینے کو تیار نہیں، بلکہ اپنی ملی سوچ اور ردعمل کی نفسیات کے نتیجے میں فسطائی طاقتوں کی ہی معاون ثابت ہورہی ہے۔

ضرورت ہے کہ ہندو مسلم تعلقات کے خوشگوار ماضی کی بازیافت کے لیے جدوجہد کی جائے۔اس سلسلے میں ملت اسلامیہ کو ایک مثبت اور فعال کردار ادا کرنا ہوگا کہ یہ اس کی دینی ضرورت بھی ہے اور سیاسی ضرورت بھی۔دینی ضرورت اس طور پر کہ یہ اس کے فرض منصبی کا حصہ ہے اور سیاسی ضرورت اس طور پر کہ ملت کا جانی و مالی تحفظ ان حالات کے نتیجے میں ایک بڑا چیلنج بنتا جارہا ہے۔اس کے لیے ضروری ہوگا کہ ملت اسلامیہ ہند کے درمیان اجتماعی شعور کی بیداری عام کی جائے، اس کے داعیانہ کردار کی بازیافت کے لیے جدوجہد کی جائے، جذباتیت اور اشتعال انگیزی کی ہر طرح سے حوصلہ شکنی کی جائے، اور ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے کوششیں تیز تر کردی جائیں۔اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

(ابوالاعلی سید سبحانی)

هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان

نسیم احمد غازی فلاحی، نائب صدر مدھر سندیش سنگم نئی دہلی
موبائیل نمبر:09213134150

ایک دن میرے ایک انجینئر دوست ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ ان سے جب بھی ملاقات ہوتی عام طور پر علمی اور دعوتی موضوع پر ہی گفتگو ہوتی۔ اس مُلاقات میں انھوں نے بڑا ہی حیرت انگیز واقعہ سنایا۔ یہ واقعہ خود ان کے ساتھ پیش آیا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ ایک دن وہ اپنے کسی عزیز کی عیادت کے لیے ایک سرکاری اسپتال میں گئے، جہاں وہ عزیز زیرِ علاج تھے۔ سہ پہر کا وقت تھا، وہ وارڈ کا پتہ معلوم کرنے کے لیے کسی شخص کو تلاش کرنے لگے۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص برآمدے کی سیڑھی پر اپنے گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھا ہے۔ انجینئر صاحب نے اس سے پتہ معلوم کرنے کے لیے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس شخص نے فوراً اپنا سر گھٹنوں سے اٹھایا اور انجینئر صاحب کی طرف دیکھا۔ انجینئر صاحب نے دیکھا کہ وہ شخص رو رہا ہے اور اس کی آنکھیں روتے روتے سرخ ہوگئی ہیں۔ یہ دیکھ کر انھوں نے اس شخص کو اپنے ہاتھ سے سہارا دے کر کھڑا کیا اور اس کے رونے کی وجہ معلوم کی۔ اس شخص نے اپنی پیٹھ کے پیچھے برآمدے کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا اور روتے ہوئے بتایا کہ یہ میری ماں کی میت ہے۔ آج صبح ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میں فلاں گاؤں کا رہنے والا ہوں جو یہاں سے 35-30 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ مجھے اپنی ماں کی میت کو لے کر اپنے گاؤں جانا ہے لیکن کوئی بھی گاڑی والا کرائے کی پوری رقم ایڈوانس لیے بغیر میت کو گاؤں لے جانے کے لیے تیار نہیں ہے اور میرے پاس ان کو دینے کے لیے اتنے پیسے نہیں ہیں۔ میں نے گاڑی والوں سے کہا کہ بقیہ رقم گاؤں پہنچنے پر ادا کر دی جائے گی مگر اس کے لیے وہ آمادہ نہیں ہوئے اور پوری رقم ایڈوانس لینے پر مصر ہیں۔ انجینئر صاحب نے دیکھا کہ واقعی سفید چادر میں لپٹی ہوئی ایک میت برآمدے کے گوشے میں زمین پر رکھی ہوئی ہے۔ انجینئر صاحب نے وہ کاغذات بھی دیکھے جو اسپتال کی طرف سے اس کی ماں کے انتقال کے سلسلے میں اسے ملے تھے۔ انجینئر صاحب اس کی پریشانی سن کر خود بھی پریشان ہو گئے اور اس شخص کو اپنے ساتھ لے کر گاڑی والوں کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ میت کو گاؤں تک پہنچا دیں اور اپنا کرایہ گاؤں پہنچ کر

حاصل کرلیں۔ گاڑی والوں نے انھیں بتایا کہ ہم پورا کرایہ ایڈوانس لیے بغیر نہیں جا سکتے کیونکہ ہمارے مالکوں کی یہی ہدایت ہے۔ انجینئر صاحب نے ان سے کہا کہ یہ تو بڑی بے رحمی کی بات ہے۔ اس پر وہ بولے کہ جناب ہمارے ساتھ اکثر و بیشتر یہ بات پیش آتی رہی ہے کہ لوگ ہماری گاڑی میں میت کو لے جاتے ہیں اور اپنے گھر پہنچ کر ہمارا پورا کرایہ ادا نہیں کرتے اور کبھی تو ہمیں خالی ہاتھ واپس آنا پڑتا ہے۔ چونکہ وہاں رونے دھونے اور غم کا ماحول ہوتا ہے اس لیے ہم کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ اسی وجہ سے ہمارے مالکوں نے یہ پالیسی بنائی ہے کہ ہم پورا کرایہ ایڈوانس وصول کرنے کے بعد ہی میت کو لے جائیں۔

انجینئر صاحب پوری صورت حال سمجھ گئے اور انھوں نے گاڑی والے کو پورا کرایہ اپنے پاس سے ادا کر دیا، ساتھ ہی اس شخص کی ماں کی میت کو سہارا دے کر گاڑی میں رکھوایا۔ وہ شخص انجینئر صاحب کے اس تعاون اور ہمدردی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور ان کے قدموں پر گر پڑا۔ انجینئر صاحب نے اسے تسلی دیتے ہوئے سینے سے لگایا اور گاڑی میں بیٹھا کر اپنے سامنے ہی گاڑی کو روانہ کیا۔ وہ شخص جاتے وقت اپنے اس محسن کو ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا اور چند ہی لمحوں میں گاڑی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔ اس واقعہ کو کافی دن گزر گئے۔ انجینئر صاحب نے ''نیکی کر دریا میں ڈال'' کہاوت کے مطابق اس واقعہ کو روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والی ایک معمولی بات کے سوا کوئی اہمیت نہ دی۔

ایک روز انجینئر صاحب مغرب کے بعد اپنے آفس میں اپنے معمول کے کاموں میں مصروف تھے کہ ایک ہٹا کٹا جوان ان کے آفس میں داخل ہوا۔ اس نے سر پر پگڑی باندھ رکھی تھی اور اس کا ایک حصہ اپنے منہ پر اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ اس کا چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی دیہاتی ہو۔ انجینئر صاحب کسی فائل کے مطالعے میں مصروف تھے۔ اس شخص نے انجینئر صاحب کا نام لے کر دریافت کیا کہ مجھے ان سے ملنا ہے۔

انجینئر صاحب نے سر اٹھایا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے کہ میرا ہی نام انجینئر فلاں ہے۔ تشریف لائیے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ چونکہ واقعہ بہت پرانا ہو چکا تھا اس لیے انجینئر صاحب اس شخص کو بالکل بھی نہیں پہچان سکے۔ اس شخص نے جب انجینئر صاحب کا چہرہ دیکھا تو وہ اپنے محسن کو فوراً پہچان گیا اور مزید اطمینان کے لیے ان کو ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگا۔ انجینئر صاحب کو اس بات سے حیرت بھی ہوئی اور تشویش بھی۔ انھوں نے اس شخص سے پھر پوچھا کہ آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟ انجینئر صاحب کے دوبارہ یہ کہتے ہی اس شخص نے ان کی آواز کو بھی پہچان لیا اور اسے یقین ہوگیا کہ یہ وہی 'دیوتا' ہے جس نے مجھ پر کئی سال قبل ایک بہت بڑا احسان کیا تھا اور جسے میں بھلا نہیں سکا ہوں۔ بلکہ اس سے ملاقات کے لیے بے قرار ہوں۔ چنانچہ وہ شخص بے ساختہ طور پر انجینئر صاحب کے قدموں میں گر پڑا اور گڑگڑا کر اِن الفاظ میں معافی مانگنے لگا کہ میں بہت ہی گندہ، پاپی اور احسان فراموش انسان ہوں۔

مجھ جیسے گندے جانور کو بھگوان کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ انجینئر صاحب آپ مجھے معاف کر دیجیے آج میں بہت بڑا پاپ کرنے جا رہا تھا۔ انجینئر صاحب کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ یہ کون شخص ہے اور مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اسے اپنے ہاتھوں کا سہارا دے کر اپنے ساتھ فرش پر بیٹھایا اور دریافت کیا کہ بات کیا ہے اور آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔ صاف صاف بتائیں آپ کون ہیں اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ اس شخص نے اپنے سر پر بندھا کپڑا اتارا اور انجینئر صاحب کے قدموں میں رکھ دیا اور روتے ہوئے کہنے لگا کہ دراصل میں آپ کی جان لینے آیا تھا۔ مجھے آپ کے ایک دشمن نے آپ کو قتل کرنے کے عوض بڑی رقم کی سپاری دی تھی اور اسی پاپ کو انجام دینے کے لیے میں یہاں آیا تھا لیکن بھگوان نے مجھے اس پاپ سے بچا لیا۔ میں نے جب آپ کی شکل دیکھی تو میں نے آپ کو پہچان لیا کہ آپ تو وہی دیوتا ہیں جنھوں نے کئی سال قبل میری ماں کی میت کو گھر تک پہچانے کا انتظام کر کے میرے اوپر احسانِ عظیم کیا تھا۔ یہ کہہ کر وہ شخص پھر انجینئر صاحب کے پیر پکڑ کر معافی مانگنے لگا۔ انجینئر صاحب کو بھی وہ واقعہ یاد آ گیا اور انھوں نے بھی اس شخص کو پہچان لیا۔ پھر اسے تسلی دیتے ہوئے اس سے کہا کہ وہ اس پر رنجیدہ نہ ہو اور اس کا دل بہلانے کے لیے اس کی اور اس کے گھر والوں کی خیریت معلوم کرنے لگے۔ دورانِ گفتگو اس شخص نے بتایا کہ وہ غلط لوگوں کی صحبت میں پڑ گیا اور کریمنل کاموں میں ملوث ہو گیا۔ پیسے لے کر لوگوں کے صحیح اور غلط متنازع معاملے حل کرانے لگا۔ سپاری لے کر لوگوں کو راستے سے ہٹانے لگا۔ اسی طرح کے دیگر کاموں میں ملوث ہو گیا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ میں آپ کو ہمیشہ یاد کرتا رہتا ہوں۔ میرے پاس آپ کا نام اور پتہ نہیں تھا اس لیے میں آپ سے ملاقات نہ کر سکا اور آج ملاقات ہوئی تو ایسے موڑ پر۔ اگر بھگوان نے میری مدد نہ کی ہوتی تو آج مجھ سے اتنا بڑا پاپ ہوتا کہ جس کی وجہ سے ایشور مجھے کبھی معاف نہ کرتا اور میں کوڑھی بن کر تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔ اتنا کہہ کر وہ پھر رونے لگا اور معافی مانگنے لگا۔ انجینئر صاحب نے اسے پھر تسلی دیتے ہوئے کہا کہ جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ اور انھوں نے اس کو نصیحت کی کہ تم نے جو لائن اختیار کی ہے اسے فوراً چھوڑ دو کیونکہ اس راستے کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ اپنے بچوں کے پیٹ میں حلال روزی ڈالو حرام نہیں۔ انجینئر صاحب نے اسے خدا اور آخرت کے بارے میں بھی مختصراً بتایا۔ اس نے انجینئر صاحب سے وعدہ کیا کہ اب وہ اس راستے کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے گا اور محنت اور مشقت کر کے حلال طریقے سے اپنے بیوی بچوں کو پالے گا۔ انجینئر صاحب نے خدا اور آخرت سے متعلق اسے چند کتابیں پڑھنے کے لیے دیں اور بڑی محبت سے اسے رخصت کیا۔

نیکی اور بھلائی کا بدلہ ہمیشہ اچھا ملا کرتا ہے۔ دنیا میں بھی اس کے نتائج سامنے آتے ہیں اور آخرت میں تو ان شاء اللہ اچھا بدلہ ملے گا ہی۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ نے فرمایا ہے:

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانِ (اچھے کام کا بدلہ اچھا ہی ملا کرتا ہے۔) ●●

ہمارے زمانے کا جامعہ

سید لطف اللہ قادری فلاحی، پھلواری شریف، پٹنہ بہار

*(گزشتہ شماروں میں سند فضیلت حاصل کرنے والے ہمارے فلاحی بھائیوں نے اپنے زمانہ طالب علمی کی کچھ یادیں اور تاثرات ہمارے ساتھ شیئر کیے تھے، اس ماہ ۱۹۷۲ء میں فضیلت سے فارغ ہونے والے ہمارے ایک برادر بزرگ کی تحریر پیش خدمت ہے۔ ان شاء اللہ اس کالم سے ہمارے لیے ابتدائی دور کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے، ابتدائی لوگوں کے خوابوں اور تمناؤں سے آشنا ہونے، اس کی روشنی میں حال کا جائزہ لینے اور مستقبل کے لیے منصوبہ بندی کرنے میں آسانی ہوگی۔ **مدیر**)*

والد مرحوم جناب مولانا سید احمد عروج قادری علیہ الرحمہ کی تعلیم مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں ہوئی تھی اور فراغت کے بعد کئی مدرسوں میں تدریس کا فریضہ انجام دے کر آخر میں مدرسہ شمس الہدیٰ میں ہی مدرس حدیث ہو گئے تھے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جب جماعت اسلامی کی تشکیل کی تو والد مرحوم بھی جماعت میں شامل ہو گئے۔ مدرسہ شمس الہدیٰ چونکہ ایک سرکاری گرانٹیڈ مدرسہ ہے اس لیے اس وقت کے پرنسپل نے والد مرحوم کی اعلیٰ افسروں سے شکایت کی کہ وہ جماعت کے رکن ہو گئے ہیں۔ قصہ طویل ہے مختصر یہ کہ بالآخر والد مرحوم نے مدرسے کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور غالباً ۱۹۵۵ یا ۱۹۵۶ میں رام پور جہاں اس وقت جماعت اسلامی کا مرکز تھا مع خاندان منتقل ہو گئے۔

میری ابتدائی تعلیم مرکزی درس گاہ جماعت اسلامی ہند رام پور میں ہوئی۔ اس وقت اس کا یہی نام تھا۔ ایمرجنسی لگنے کے بعد اس کا نام صرف مرکزی درس گاہ اسلامی رہ گیا۔ درس گاہ میں میری تعلیم نویں کلاس تک ہوئی۔ مشفق اساتذہ میں جناب افضل حسینؒ صاحب، عرفان خلیلیؒ صاحب، منظور الحسن ہاشمیؒ صاحب، مولانا ایوب اصلاحیؒ اور اقبال حسین خاںؒ صاحب وغیرہ تھے۔ تقریباً سب ہی اساتذہ جماعت

کے رکن تھے۔ اللہ ان سب کی مغفرت فرمائے۔

میرے خانوادے میں دینی تعلیم شروع سے تھی۔ میرے پردادا سید تبارک حسین قادریؒ نے دار العلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی مرادآباد سے دینی علوم حاصل کیا۔ پھر میرے دادا مولانا سید عبید اللہ قادریؒ نے ٹونک (راجستھان) جاکر عربی علوم کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور بعد کو مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں شیخ التفسیر بنے۔ اس ذہبی سلسلہ کو قائم رکھتے ہوئے میرے والد مرحوم نے یہی فیصلہ کیا کہ اپنے دونوں بیٹوں کو عربی تعلیم ہی دلائی جائے۔ چنانچہ میرے بڑے بھائی ڈاکٹر سید فضل اللہ قادری ندوی کو دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں درس گاہ کی تعلیم کے بعد داخل کرایا۔ انھوں نے وہاں سے فضیلت تک کی تعلیم حاصل کی۔

جب میرے اعلیٰ تعلیم کے لیے داخلہ کا وقت آیا تھا تو اس وقت جامعۃ الفلاح وجود میں آچکا تھا، جس کے قیام میں بعض ارکان جماعت پیش پیش تھے اور جس کو عصری اور دینی علوم کا سنگم بنانے کا خواب تھا۔ (یہ خواب کتنا شرمندۂ تعبیر ہوا، یہ ایک الگ موضوع ہے۔)

جامعۃ الفلاح کے اساتذۂ کرام میں مولانا جلیل احسن ندوی و اصلاحیؒ سے والد مرحوم کی خط و کتابت تھی۔ میرا خیال یہ ہے کہ میرے داخلہ کے سلسلہ میں ان سے انھوں نے مشورہ ضرور کیا ہوگا۔ اس کے علاوہ رام پور سے اس وقت کئی طلبہ وہاں زیر تعلیم تھے مثلاً مشرف حسین صدیقی، خالد سیف اللہ، طارق اکرام اللہ۔ خالد صاحب اور طارق صاحب کے والد جناب اسلام اللہ پریمی صاحب سے بھی میرے والد کے اچھے تعلقات اور گہرے مراسم تھے۔ بہر حال ان سب کے مشوروں کے بعد میرا داخلہ عربی دوم میں ۱۹۶۶ء میں ہوگیا۔ تعلیمی سلسلہ بحسن وخوبی چلتا رہا اور ۱۹۷۲ء میں میں نے فضیلت کا امتحان پاس کیا۔ دوران تعلیم جن مشفق اساتذہ نے میری تعلیم و تربیت کی ان میں مولانا جلیل احسن ندویؒ، مولانا صغیر احسن اصلاحیؒ، مولانا شہباز ہندی اصلاحیؒ، مولانا ابوبکر اصلاحیؒ اور مولانا شبیر احمد اصلاحیؒ، یہ سب اللہ کو پیارے ہوگئے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کے علاوہ مولانا عبد الحسیب اصلاحی اور مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی بھی میرے مشفق اساتذہ تھے، اللہ ان دونوں کو عمر دراز دے۔

جامعۃ الفلاح کے اساتذہ میں زیادہ تر مدرسۃ الاصلاح کے فارغین تھے اس لیے قرآن فہمی میں علامہ حمید الدین فراہیؒ کے طرز و اسلوب اور ان کے قرآن فہمی کے اصولوں پر ہی ہمیں قرآن کی آیات کو سمجھنے اور ان میں غور وفکر کی تربیت دی جاتی تھی، اور یہی جامعۃ الفلاح کا امتیاز تھا۔

میرے زمانے کے جامعۃ الفلاح میں تعلیم وتربیت کا ہی زیادہ چرچا تھا۔ اساتذہ تعلیم وتربیت پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ خود بھی مطالعہ کرکے آتے اور ہم سے بھی یہی کہا جاتا تھا کہ مطالعہ کرکے اور عربی الفاظ کی تحقیق کرکے آئیں۔ اس وقت بہت زیادہ عمارتیں نہیں تھیں۔ ایک طرف ہوسٹل تھا اور ایک طرف ایک ہال تھا جو مسجد بھی تھا اور مدرسہ بھی۔ ہوسٹل میں بھی کئی کمروں میں کلاس لگتی تھی۔ اور مجھے یاد ہے کہ ٹاٹ بچھا کر ہم

لوگ بیٹھتے تھے۔اس سادگی میں جو حسن تھا وہ بات ہی کچھ اور تھی۔مسجد کی الگ سے تعمیر بھی میرے سامنے ہوئی تھی۔ کچھ اینٹیں میں نے بھی اٹھائی تھیں۔مسجد کی تعمیر کا سارا سہرا میرے استاد عبدالحسیب اصلاحی صاحب کے سر ہی بندھنا چاہیے۔اب مسجد اور زیادہ عظیم الشان بن گئی ہے۔ جامعہ کی اور بھی بہت ساری عمارتیں کھڑی ہوگئی ہیں۔ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔عمارتوں کی ضرورت پڑی تو تعمیراتی کام کرائے گئے۔

میرا اپنا تاثر یہی ہے کہ تعلیم اور خاص طور پر تربیت پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔اساتذہ کا احترام ہونا چاہیے۔اساتذہ کا بھی شفقت و محبت کا طلبہ کے ساتھ رویہ ہونا چاہیے۔ بلڈنگوں پر بلڈنگیں بنانے کے بجائے طلبہ و طالبات کو بلڈ کیجیے۔ان کی اساسات کو مضبوط بنائے۔اچھی صلاحیت اور اچھے کردار کے طلبہ ہی امت مسلمہ کو اچھی قیادت دیں گے۔تحریک اسلامی کو بھی وہاں سے اچھا سرمایہ ملے گا۔ موجودہ جامعۃ الفلاح کے بارے میں کچھ بہت زیادہ معلومات نہیں ہیں۔امید ہے جامعہ اپنے قیام کے مقصد کی طرف گامزن ہوگا، اللہ سے دعا ہے کہ اسے ترقی دے اور قائم رکھے۔

۱۹۷۲ء میں فراغت کے بعد مرکزی درس گاہ جماعت اسلامی ہند رام پور میں میرا تقرر بحیثیت عربی استاد ہوگیا۔ ۱۹۷۷ء تک میں وہاں رہا، اس کے بعد ملازمت سے سبک دوشی لے کر دہلی چلا آیا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ۱۹۸۰ء میں عربی آنرس میں گریجویشن کیا۔اس کے بعد میں سعودی عرب چلا گیا۔معاش کا بڑا مسئلہ تھا۔اسی کی خاطر وہاں گیا۔کئی سالوں تک وہاں رہا۔ وہاں سے واپسی کے بعد اپنے وطن پٹنہ بہار آ گیا۔ یہاں میں رکن جماعت بنا اور حلقۂ بہار میں ناظم علاقہ کی خدمت انجام دے رہا ہوں۔فروری ۲۰۱۵ء میں اب میں اس خدمت سے خود کو سبک دوش کر رہا ہوں۔بس یہی مختصر میری کہانی ہے۔اس کہانی کا انجام اچھا ہو اس کی دعا کرتا ہوں۔

میں نے جامعۃ الفلاح کے دوران تعلیم ہی لکھنا شروع کر دیا تھا۔نور، الحسنات وغیرہ میں کئی مضامین اور تراجم شائع ہوئے۔روزنامہ دعوت دہلی میں مستقل نہیں تو کم از کم برابر میرے عربی سے اردو تراجم شائع ہوتے رہے۔مولانا محمد مسلمؒ ایڈیٹر دعوت کا میرے نام ایک خط میرے پاس محفوظ ہے جس میں انہوں نے تحریر کیا تھا کہ ''تمہارا مضمون شائع ہونے کے لیے دے دیا ہے۔اور لکھتے رہا کرو''۔اس طرح میری لکھنے کی صلاحیت فروغ پاتی رہی۔بہت زیادہ لکھنے کا موقع تو نہیں ملا۔البتہ تین کتابیں مرتب کی ہیں جو شائع شدہ ہیں:

۱)ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔۲) حضرت مریم علیہا السلام۔۳) والدین کے حقوق اور صلہ رحمی

اس کے علاوہ والد مرحوم کی تحریروں کو جمع کر کے کئی کتابیں مرتب کی ہیں جو مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے شائع ہو رہی ہیں۔اس میں سے ایک کتاب ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احادیث کا مجموعہ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ و کاملہ، سیرت النبی کا مطالعہ کیسے کریں، ہمہ گیر اور صالح انقلاب، دعوت، تربیت اور تقاضے وغیرہ۔

محترم ناظم جامعہ سے ایک ملاقات

لگاتار تیسری بار جامعۃ الفلاح کا ناظم منتخب کیے جانے پر جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب حفظہ اللہ ورعاہ سے مدیر حیات نو ابوالاعلی سید سبحانی نے یہ انٹرویو لیا، جس میں جامعہ کی موجودہ صورتحال، مستقبل کے منصوبے، فارغین جامعہ اور حیات نو کے تعلق سے چند بنیادی نوعیت کے سوالات کیے گئے ہیں، افادہ عام کے لیے اسے شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ **ادارہ**

مولانا آپ کو تیسری بار جامعۃ الفلاح کا ناظم منتخب کیا گیا ہے۔ اِس موقع پر آپ کے تأثرات کیا ہیں؟

جامعہ کا نظام شورائی ہے۔ یہاں میقات تین سالہ ہوتی ہے۔ جنوری 2015 سے نئی میقات شروع ہوچکی ہے۔ اِس بار بھی جامعہ کی شوریٰ نے میرے اوپر اعتماد ظاہر کیا، حالانکہ میں اِس ذمے داری کو ایک بارِ گراں سمجھتا ہوں۔ اللہ سے دعا ہے کہ بحسن وخوبی ذمہ داریاں ادا کرنے کی توفیق دے۔ آپ تمام لوگوں سے بھی دعا کی درخواست ہے۔

آپ کی نظر میں اِس وقت ہندوستان کے دینی تعلیمی اداروں میں جامعۃ الفلاح کا کیا مقام ہے؟

اداروں کے درمیان درجہ بندی کرنا ایک مشکل امر ہے۔ ہر ایک کے مناہج تعلیم بھی الگ الگ ہوتے ہیں اور ترجیحات بھی۔ ہمارا جامعہ مختلف پہلوؤں سے ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ ارتقاء پذیر نصابِ تعلیم، حتی المقدور مؤثر طریقۂ تعلیم اور کھلی ہوئی علمی فضا، یہ سب یہاں کی خاص خصوصیات ہیں۔ میں ذاتی طور سے جامعۃ الفلاح کو اس لحاظ سے ممتاز دینی درسگاہ خیال کرتا ہوں کہ یہاں علمی وتربیتی شعور کے ساتھ ساتھ نوخیز نسلوں کو دعوتی وتحریکی اسپرٹ بھی دی جاتی ہے۔ میرا مقصود کسی اور ادارے یا اداروں کی تنقیص کرنا نہیں ہے، لیکن یہ امرِ واقعی ہے کہ جامعۃ الفلاح کے فارغین میں تحریکی شعور اور دعوتی جذبہ قابلِ رشک حد تک موجود ہوتا ہے۔ وللہ الحمد علی ذلك

جامعہ کو اِس وقت کیا بڑے چیلنجز درپیش ہیں؟

جامعہ کو درپیش سب سے بڑا چیلنج معیارِ تعلیم وتربیت کو مزید بلند اور معیاری کرنا ہے۔ مختلف عوامل

واسباب کی وجہ سے جامعہ کا تعلیمی معیار کافی متأثر ہوا ہے اور اس کے تدارک کی ہم ہر ممکنہ کوشش کر رہے ہیں۔ سب سے اہم مسئلہ باصلاحیت اساتذہ کی فراہمی ہے۔

اِس میقات میں آپ کیا نئے تعلیمی تجربات کر رہے ہیں یا کرنے والے ہیں؟

اساتذہ کے لیے مختلف ٹریننگ کیمپس کا انعقاد کیا جا رہا ہے۔ مارچ کے آخر میں عربی زبان کے اساتذہ و معلّمات کے کیمپ کا انعقاد طے ہو چکا ہے، اور اپریل کے آغاز میں انگریزی کے اساتذہ بھی ایک ٹریننگ کیمپ میں شریک ہوں گے۔ ان شاء اللہ العزیز

جامعۃ الفلاح کو لے کر آپ کا مستقبل کا کیا منصوبہ ہے؟

بنیادی توجہ معیارِ تعلیم و تربیت کو بلند کرنے ہی پر ہے۔ اس کے لیے باصلاحیت افراد کی خدمات کا حصول از بس لازمی ہے۔ اِس کی خاطر مختلف جہتوں سے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ مالی استحکام بھی ضروری ہے۔ مسلسل مالی دشواریوں کی وجہ سے منتظمین کی بیشتر توجہ یہ پہلو کھینچے رہتا ہے۔ لہٰذا جامعہ کے لیے مستقل ذرائعِ آمدنی فراہم کرنے کا منصوبہ بھی پیشِ نظر ہے۔

مولانا کیا وجہ ہے کہ ان حالات میں جبکہ دعوت دین کی جانب لوگ تیزی سے متوجہ ہو رہے ہیں، جامعۃ کو اپنا کلیۃ الدعوۃ بند کرنا پڑا؟

جامعہ کا پورا ڈھانچہ ہی دعوتی ہے۔ تعلیم و تربیت کا پورا رُخ اسی جانب ہے۔ مختلف النوع پروگرام اسی کے لیے ہوتے ہیں۔ مرکز الدعوۃ کا قیام دراصل دو مقاصد کے لیے ہوا تھا:

ایک: وقتاً فوقتاً دعوتی ٹریننگ کے لیے کیمپوں کا انعقاد اور فیلڈ ورک کے لیے دعوتی کتب کی فراہمی۔
دوسرا: تخصص فی الدعوۃ کے خواہش مند نوجوان و فارغین مدارس کے لیے ٹریننگ کے مواقع کی فراہمی۔

اول الذکر کام جاری ہے۔ دوسرا کام تجربہ کار افراد کی فراہمی اور دعوتی جذبہ رکھنے والے نوجوانوں کی موجودگی پر موقوف ہے۔ ابھی اِس کی باقاعدہ شکل نہیں بن سکی ہے۔

فارغینِ جامعہ کے بارے میں آپ کا کیا تأثر ہے؟ 53 سالہ سفر میں جامعہ اس قسم کے افراد کی تیاری میں کس قدر کامیاب ہو سکا، جس کے پیش نظر جامعہ کی بنیاد رکھی گئی تھی؟

الحمد للہ ہمارے فارغین مختلف میدانوں میں قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور سماجی خدمات جیسے متنوع میدانوں میں مصروفِ عمل ہیں، اور یہ تنوع خود جامعۃ الفلاح کا ایک امتیازی وصف ہے۔ مادرِ علمی سے مربوط رکھنے کے لیے انجمن طلبۂ قدیم کا پلیٹ فارم بھی بڑی اہم خدمات انجام دے رہا ہے۔

2014ء میں فارغین جامعہ یا جامعہ کی جانب سے وہ کون سے اہم علمی وتحقیقی کام ہوئے جن کا ملک کے علمی حلقوں کی جانب سے کا اعتراف کیا گیا ہو؟

جامعہ میں علمی امور کی انجام دہی کے لیے کئی کام ہوتے رہے ہیں:

۱۔توسیعی خطبات کا اہتمام۔ان خطبات کو تحریری شکل میں لایا گیا ہے اوران کا مجموعہ ''حدیث اور علوم حدیث'' شائع ہوا ہے۔علاوہ ازیں دیگر موضوعات پر بھی توسیعی خطبات ہوتے رہے ہیں اورانہیں ضبطِ تحریر میں لایا جاتا رہا ہے۔امسال اس سلسلے میں اچھی پیش رفت ہوئی ہے۔

۲۔علامہ شبلی نعمانیؒ کے تعلیمی افکار کی عصری معنویت پر ایک سیمینار منعقد کیا گیا تھا جس میں پیش کیے گئے مقالات کا مجموعہ بھی الحمدللہ شائع ہو چکا ہے۔

۳۔سیمینار ''تعلق بالقرآن-اہمیت اور تقاضے'' کے مقالات کا مجموعہ بھی شائع ہوا ہے۔

۴۔ڈاکٹر مجدی الہلالی کی تصنیف کا اُردو ترجمہ ''اسلام ایک تنہا حل-کیوں اور کیسے؟'' شائع ہوا ہے۔

۵۔جامعہ کے عربی ترجمان ''مجلۃ الفلاح'' کا نیا شمارہ منظرِ عام پر آیا ہے۔

۶۔معمل اللغۃ العربیۃ کے تحت طلبہ کی عربی زبان کی استعداد میں اضافے کی خاطر مختلف النوع مفید اوراہم پروگرام شروع کیے گئے ہیں۔نیز معمل کے پلیٹ فارم سے طلبہ کی عربی زبان کی کاوشوں کو منظرِ عام پر لانے کے لیے ایک عربی سہ ماہی رسالہ ''القلم'' شروع کیا گیا ہے جس کے اب تک کُل تین شمارے آچکے ہیں، یہ شمارے اکابرینِ جامعہ نیز فلاحی برادران اورعام اہلِ علم کی پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔

''حیاتِ نو'' کے موجودہ معیار کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کے لیے مزید کیا مشورے ہیں؟

''حیاتِ نوؔ'' کو بہتر بنانے کی اچھی کوشش ہورہی ہے۔'ہمارے زمانے کا جامعہ'،خصوصی موضوع پر مذاکرہ،خطوط اور جامعہ کے لیل ونہار کے کالم اچھے ہیں۔فلاحیوں کی نگارشات بہت اچھی ہیں۔احوالِ جامعہ سے چونکہ مادرِعلمی کے ہر بیٹے کو قلبی وابستگی رہتی ہے اس لیے اِس کو مزید صفحات دینے چاہئیں،اور لکھنے والے فارغینِ فلاح کے دائرے کو اور وسعت دینی چاہیے۔

آپ حیات نو کے ذریعہ فارغینِ جامعہ کو کیا پیغام دینا چاھیں گے؟

''تم فلاحی ہو سپاہی لشکرِ اسلام کے''۔مسلسل علم میں وسعت واضافہ،حسنِ اخلاق سے آراستگی،خدمتِ خلق کا جذبہ اور دعوت وتبلیغ کی کوششوں میں بھرپور شرکت، یہ سب ایسے کام ہیں جو جامعۃ الفلاح سے انتساب کا حتمی تقاضا ہیں۔اسی طرح جامعہ سے ربط وتعلق اور یہاں کے حالات سے حقیقی آگہی اوراس کی ترقی کے لیے ممکنہ کوششیں بھی ضروری ہیں۔

قرآن پاک میں اتحادِ امت کی بنیادیں

ضمیر الحسن خاں فلاحی،
سکریٹری انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح و اسکالر ادارہ تحقیق و تصنیف علی گڑھ
ای میل: musabzamir@gmail.com

عصر حاضر کے مسائل میں امت کا سب سے بڑا اور خطرناک مسئلہ اس کا اختلاف و انتشار ہے۔ رنگ و نسل، مسلک و مشرب، معتقدات و نظریات، اخلاق و عبادات گویا ہر شئے میں اختلاف ہی اختلاف نظر آتا ہے، گویا اسلامی شریعت، اختلافات کی شریعت ہے، حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، قرآن پاک نے جس پر امت کا اتفاق ہے، اسلامی توحید کے بعد جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ اتحاد ہے اور اسلامی اخوت کو مجروح کرنے والی ہر چیز کو مٹانے اور ختم کرنے کی امت کو تاکید کی ہے۔ دین اسلام میں شرک کے بعد جو چیز سب سی زیادہ مبغوض و ناپسند ہے وہ اختلاف و انتشار ہے۔ قرآن پاک کی دعوت یہ ہے کہ اللہ کی رسی کو امت مضبوطی سے پکڑے رہے اور اتحاد کی اسی لڑی میں تمام افراد امت سموئے رہیں۔

اتحاد کوئی نامانوس لفظ نہیں ہے، یہ وحدت سے مشتق ہے، اس کے لغوی معنی ہیں دو چیز کا ایک ہو جانا، آپس میں مل جانا یا قوم کا کسی امر پر متفق ہو جانا! اس لحاظ سے اتحاد امت کا منشاء و مطلب یہ ہوا کہ امت، مسلک و مشرب، عقیدہ و نظریہ، ذات و برادری، رنگ و نسل یا کسی دوسری چیز کو افتراق و انتشار کی بنیاد بنا کر کسی ایسی چیز پر مجتمع ہو جائے جو امت کے ہر فرد کو ایک لڑی میں پروتی ہو اور یہ لڑی اللہ کی رسی اور اللہ کی کتاب قرآن مجید ہو سکتی ہے۔

امت کو متحد کرنے اور متحد رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ امت قرآن پاک سے وابستہ ہو، وہ دیکھے کہ قرآن پاک اس سلسلہ میں کیا رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو بار بار اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے اور فرقہ بندی سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہے اور واضح لفظوں میں حکم دیتا ہے:

''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔'' (آل عمران:۱۰۳)

قرآن مجید کے مطابق، دنیا کے تمام رشتوں سے بلند، قابل احترام، مقدس اور مضبوط رشتہ ایمانی رشتہ ہے۔ قرآن اس رشتہ کو اخوت سے تعبیر کرتا ہے اور اہل ایمان سے تقاضا کرتا کہ بھائی بھائی بن کر رہو۔ ارشاد ہے:

''مومن آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں''۔(الحجرات:۱۰)

قرآن اتحاد کی قوت مضبوط کرنے کے لیے امت کے درمیان الفت ومحبت اور اخوت ومودت کا بیج بوتا ہے، اورتا کید کرتا ہے کہ:

''اور یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تمہارے دلوں میں الفت ومحبت پیدا کردی اور تم بھائی بھائی بن گئے۔'' (آل عمران:۱۰۳)

چنانچہ عرب جو ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے، جنگ وجدال جن کا مشغلہ تھا، اللہ کی اس نعمت کے ذریعہ بھائی بھائی ہوگئے، ان کی دشمنیاں اخوت میں تبدیل ہوگئیں اور اخوت ومحبت میں ضرب المثل بن گئے۔

اتحاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امت مسالک سے دستبردار ہوجائے، رنگ ونسل میں سب ایک ہوجائیں، قرآن مجید صرف یہ چاہتا ہے کہ مسائل پر غور وفکر ہو، مسائل کو زمانہ کے لحاظ سے حل کرنے کی کوششیں ہوں، اور شعوب وقبائل جو تعارف کا ذریعہ ہیں یہ باقی رہیں مگر اسلامی اخوت ومودت کی پاسداری بھی بہرحال ہو۔

قرآن پاک نے وحدت واتحاد کی راہ میں حائل ہر اس رکاوٹ کو دور کرنے کی کوشش کی ہے جو امت کی وحدانیت میں خلل انداز ہونے والی ہے۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ اسلامی اخوت اتنا مضبوط رشتہ ہے کہ جنگ وقتال سے بھی نہیں ٹوٹتا، اس کے بعد بھی مسلمان بھائی بھائی رہتے ہیں چنانچہ جنگ جمل جو سیدنا حضرت علیؓ اور صحابی رسول حضرت طلحہؓ کے درمیان ہوئی تھی۔ اس کے بعد جب عمران بن طلحہ حضرت علیؓ سے ملے تو انہوں نے ان کے گھر کے ایک ایک فرد کی نام لے لے کر خیریت دریافت کی اور فرمایا: ''مجھے امید ہے کہ اللہ تعالی مجھے اور تمہارے والد (طلحہ) کو ان لوگوں میں شامل کرے گا جن کے بارے میں اس کا ارشاد ہے:

''اور ہم ان کے دلوں سے بغض وحسد نکال دیں گے، وہ مسندوں پر آمنے سامنے بھائی بھائی بن کر بیٹھے ہوں گے۔'' (الحجر:۴۷)

اسی جنگ جمل کے بعد ایک شخص حضرت علی سے مخالفین کے بارے میں سوال کرتا ہے کہ کیا یہ لوگ مشرک ہیں جن سے آپ نے جنگ کی ہے۔ جواب دیتے ہیں کہ وہ تو شرک سے بھاگ کر ہی مسلمان

ہوئے تھے۔سائل نے پوچھا: تو کیا منافق ہیں، کہا: منافقین اللہ کا ذکر نہیں کرتے، پوچھنے والے نے کہا: پھر کون لوگ ہیں فرمایا: ’’ اخـو انـنـا بغوا علینا ‘‘، ہمارے بھائی ،فرق صرف یہ ہے کہ انھوں نے ہم پر زیادتی کی۔اسلامی اخوت کا یہ نمونہ ہے جوقرآن پیدا کرنا چاہتا ہے اور اپنے ماننے والوں میں دیکھنا چاہتا ہے۔(صحیح مسلم ،کتاب البر والصلۃ)

قرآن پاک میں وحدت کا تصور

نزول قرآن کے وقت انسانی معاشرہ تباہ حال تھا، انسانی خون کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، قرآن نے انسانی خون کی قیمت کا احساس دلایا، اجتماعیت اور وحدت کے مفہوم سے آشنا کیا اور یہ آفاقی تصور پیش کیا کہ سارے انسان ، اپنی زبان ،نسب اور وطن کے اختلاف کے باوجود بھائی بھائی ہیں اور ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔

’’ لوگوں ! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑ ابنایا اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے۔‘‘(النساء:۱)

قرآن پاک میں جگہ جگہ انسانیت کو اپنی اس اصل کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور متعدد مقامات پر ان کی نسبت حضرت آدم کی طرف کی گئی ہے جس کا اولین مقصد اسی رشتہ اخوت کی تذکیر اور یاددہانی ہے نیز اس بات کی تنبیہ ہے کہ کوئی کسی پر ظلم وتعدی نہ کرے، بلکہ قرآن پاک کی نظر میں ساری کائنات ایک الہٰ اور ایک رب کی مخلوق ہے،اس لیے امت کو یہ قرآنی حقیقت سامنے رکھنا چاہیے کہ وہ اس حقیقت کا دن میں تیس سے زائد بار اعتراف خود اپنی زبان سے نمازوں میں کرتی ہے،الحمدالله رب العالمین

قرآن مجید کی نگاہ میں ساری انسانیت ایک امت ہے وہ کہتا ہے:

’’ تم ایک امت ہو اور میں تمہارا رب ہوں لہٰذا میری بندگی کرو۔‘‘(الانبیاء:۹۲)

سارے انسان اللہ کے بندے اور غلام ہیں اسی کی طاعت و بندگی کے لیے پیدا ہوئے ہیں اس لحاظ سے سب کا مقصد تخلیق ایک ہے۔(البقرہ:۲۱)

ایک جگہ فرمایا کہ یہ ذات اور برادریاں محض تعارف کا ذریعہ ہیں۔

’’ لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے وجود بخشا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنا دیئے تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، اللہ کی نگاہ میں سب سے برتر وہ ہے جو سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہے۔‘‘(الحجرت۱۳)

قرآن پاک نے صرف یہ تصور پیش کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کو نافذ کرکے بتادیا کہ ان اصولوں پر عمل کرکے کس طرح کا معاشرہ وجود میں آتا ہے، چنانچہ فرائض وعبادات کا نظم وضع کرکے اور امیر ،غریب، حاکم ومحکوم ،سب کو ایک صف میں کھڑا کرکے بتادیا کہ تمہارے درمیان کسی طرح کی تفریق

جائز و درست نہیں ہے، تم سب ایک خدا کے بندے ہو، ایک ہو کر رہو۔ نماز، روزہ اور حج وغیرہ ارکان اسلام میں ہم اسی اسلامی اخوت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ قرآن پاک کا یہ تصور کہ اس کائنات کا خدا ایک ہے، سارے انسان اس کے بندے ہیں اور اسی کی بندگی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، امت کے درمیان ہر عصبیت اور ہر اختلاف کو ختم کر کے ایک وحدت میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اس تصور کو تسلیم کر لینے کے بعد برتری و کمتری کے سارے امتیازات مٹ جاتے ہیں اور خادم ومخدوم، حاکم ومحکوم، امیر وغریب، کالے اور گورے، عربی وعجمی سب ایک صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں، اونچ نیچ کے فرق کو بھول کر سب ایک خدا کے آگے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور اتحاد:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کامیاب زندگی گزارنے کا ڈھنگ اور طریقہ بتانے کے لیے ہمیشہ اپنے برگزیدہ منتخب بندوں کو مبعوث کرنے کا اہتمام کیا، اس زمین پر بہت سارے انبیاء ورسل تشریف لائے، قرآن مجید میں جن انبیاء کی سرگزشتیں موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی بعثت کا مقصود یہی تصور وحدت واتحاد تھا۔ سب کی دعوت، ایک خدا کی بندگی کی دعوت تھی، ان میں سے کسی نے انسانوں میں کوئی فرق وتفریق نہیں کی۔ (الانبیاء:۲۵)

اللہ نے قرآن پاک میں ایک جگہ اپنے پیارے رسولؐ کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے وہی دین (طریقۂ زندگی) مقرر کیا ہے جس کی تاکید تم سے پہلے کے انبیاء کو کی تھی۔ (الشوریٰ:۱۳)

آیت پاک میں بظاہر چند نبیوں کا تذکرہ ہے مگر حقیقت کے اعتبار سے یہ چند پورے گروہ انبیاء کے سرخیل اور نمائندے ہیں، گویا چند میں پورے سلسلۂ نبوت کو سمو دیا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن پاک میں جن اقوام وملل کا تذکرہ ہے ان میں یہود پہلے نمبر پر ہیں، یہود کے اختلافات کا حوالہ دے کہ قرآن نے اس امت کو پیغام دیا ہے کہ تمہارا رویہ یہود جیسا نہیں ہونا چاہیے۔ فرمایا:

''اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے کھلی اور روشن نشانیوں کے ہوتے ہوئے تفرقہ اور اختلاف کیا۔'' (آل عمران:۱۰۵)

وہ اختلاف جو انتشار کا سبب بنے اسے قرآن پاک نے سیرت نبوی سے دور کر کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کا انتساب ہی ختم کر دیا، فرمایا:

(یقیناً جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقوں میں بٹ گئے، ان سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔)

تعلیمات نبوی میں وحدت امت کا تصور:

سنت پاک، قرآن مجید کی شرح اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس کے شارح ہیں، آپ نے قرآن

پاک کے وحدت امت کے اس تصور کو اختیار کرنے، انسانی معاشرہ میں اس کو نافذ کرنے اور اس کے مطابق ایک ایسی جماعت تشکیل دینے کا التزام واہتمام کیا جو صحیح معنوں میں اس تصور کی حامل امت ہو۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو متحد کرنے کے سلسلہ میں یہ اصول دیا کہ:

لا تختلفوا فتختلف قلوبکم۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فیمن فرق امر المسلمین)

(آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ تمہارے دلوں میں دوریاں پیدا ہو جائیں گی۔)

ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی وحدت واخوت کو مختلف عنوانوں اور نوع بہ نوع تمثیلات سے واضح کیا ہے۔ مثلاً:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المؤمن فی توادھم وتراحمھم وتعاطفھم مثل الجسد الواحد ان اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی۔

المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا۔

یعنی جس طرح ایک اینٹ دوسری اینٹ سے جڑ کر اور عمارت کا ایک حصہ دوسرے سے مل کر عمارت کو مضبوطی واستحکام عطا کرتا ہے اسی طرح امت کی عمارت، امت کی وحدت واتحاد سے قائم و مستحکم ہوتی اور ہو سکتی ہے، اگر کوئی اینٹ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو پوری عمارت کو نقصان پہنچے گا۔

امت کی وحدت آپؐ کی نگاہ میں اتنا مہتم بالشان مسئلہ تھا کہ آپؐ نے اپنے آخری خطبہ میں جہاں امت کو بہت اہم اور اصولی ہدایات دیں وہیں باہمی عداوت ودشمنی کو کفر سے تعبیر فرمایا اور کہا:

"لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض۔" یعنی میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

آپؐ نے صرف امت کو متفرق ہونے ہی سے نہیں روکا بلکہ مسئلہ کی نزاکت اور اس کے تمام پہلوؤں کو پوری طرح محسوس کیا، پھوٹ واختلاف کے جو اسباب ہوتے یا ہو سکتے ہیں، ان کی نشاندہی کی اور ایک دوسرے پر اتنے حقوق وذمہ داریاں عائد کر دیں کہ اگر امت ان کا احساس کرے تو حقیقت میں جسم واحد بن جائے اور امت کا قلعہ ناقابل تسخیر ہو جائے۔ سورہ حجرات اس کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس سلسلہ میں جو ہدایات وتعلیمات ملتی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آپس میں حسد نہ کرو، کینہ نہ رکھو، کسی کے پیچھے اس کی برائی نہ کرو، اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کر رہو۔

جو مسلمان، دوسرے مسلمان سے الفت ومحبت نہ کرے وہ جنت کا مستحق نہیں ہے، آپؐ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ مومن نہ ہو جاؤ اور ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو۔''

مسلمانوں کے ساتھ اخلاص اور خیر خواہی ہر مسلمان کا فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے فرائض کے ساتھ اس کے لیے بھی بیعت لیتے تھے۔ جریر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر تین چیزوں کے لیے بیعت کی، نماز، زکوٰۃ اور افراد امت کے ساتھ اخلاص ومحبت اور خیر خواہی۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''الدین النصیحۃ'' دین نام ہی محبت وخیر خواہی کا ہے۔

ابوداؤد کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''جوشخص اجتماعیت سے بالشت بھر بھی دور ہوا کوئی شک نہیں کہ اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا۔''

ایک روایت میں امت کی وحدت کونقصان پہنچانے والے افراد کو واجب القتل قرار دیا۔فرمایا: ''جوشخص اس امت کی وحدت واتحاد کوختم کرنے کی کوشش کرے اسے تلوار پر رکھ لو،خواہ کوئی بھی ہو۔''

اس طرح کی بہت سی تعلیمات ہیں جن میں امت کو متحد رہنے کی تعلیم دی گئی ہے اور اختلاف سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے، اگر ان تعلیمات کے ایک حصہ پر بھی امت عمل کر لیتی تو آج وہ واقعی امۃ واحدۃ کا نمونہ ہوتی جیسا کہ کبھی تھی، مگر بات وہی ہے جس کی طرف قرآن مجید نے بہت پہلے رہنمائی کی تھی اور آپؐ نے جس کی ہدایت کی تھی، یعنی وَأَطِيعُواْ اللّـهَ وَرَسُولَـهُ وَلاَ تَنَـازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ۔(الانفال:۱٦)اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے جاتے جاتے تاکید کی تھی کہ جب تک کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو دانتوں سے پکڑے رہو گے بھٹکو گے نہیں، کمزور نہیں ہو گے اور ہوا نہیں اکھڑے گی۔

آبرو قائم تری ملت کی جمعیت سے تھی
جب یہ جمعیت گئی دنیا میں تو رسوا ہوا

جب امت نے کتاب اللہ سے روگردانی کی، سنت رسولؐ سے لاپرواہی برتی، اطاعتِ خدا اور رسول سے بے نیاز ہوگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کمزور ہوگئی اور اس کی ہوا اکھڑ گئی۔

اختلاف ونزاع کے باب میں قرآن پاک کا اصول یہ ہے کہ ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ (النساء:۵۹)اور''مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ''(الاحزاب:۳٦)یعنی اسلام کے جو امور اساسی اور بنیادی نوعیت کے ہیں، ان کے سلسلہ میں غور وفکر اور اجتہاد ورائے زنی کا کسی فرد امت کو حق نہیں ہے البتہ جن معاملات وامور میں غور وخوض کی گنجائش ہے ان میں بھی قرآن مجید سختی سے ہدایت کرتا ہے کہ اختلاف کی صورت میں معاملہ اللہ ورسولؐ کے حوالہ کر دو۔

چنانچہ وہ امت جس کی تربیت مکتب نبویؐ میں ہوئی تھی اور جسے خیر القرون ہونے کا شرف حاصل ہوا، اس کے درمیان بھی اختلافات تھے، مسائل میں ان کی رائیں بھی مختلف ہوئیں، رنگ و نسل میں بھی وہ ایک نہیں تھے، ان میں بھی حبشی، فارسی، انصار، مہاجرین، قریش اور غیر قریش ہر طرح کے افراد شامل تھے لیکن اخوت کا جو درس انھیں قرآن مجید سے ملا تھا کبھی فراموش نہیں کیا۔ علامہ ابن القیم کے مطابق صرف حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان جن مسائل میں اختلاف رائے تھا ان کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ وغیرہم کے درمیان بہت سارے امور و مسائل میں اختلاف تھا لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان مختلف آراء کی وجہ سے کسی نے کسی پر نکیر کی ہو، حقارت بھری نگاہ سے دیکھا ہو یا کفر کا فتویٰ لگایا ہو۔

قرآنی علوم کی معرفت کے سلسلہ میں مکتب نبوت سے جن لوگوں کو سند حاصل تھی اور نبی کریمؐ کی ہدایت تھی کہ جسے قرآن مجید سیکھنا ہو وہ ان حضرات سے سیکھے، ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام سر فہرست ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے قرآن مجید کی مکمل دو سورتوں کے سلسلہ میں پوری امت سے مختلف و منفرد تھی، ان کی رائے میں سورۃ الناس و الفلق قرآن پاک کا جز نہیں ہیں اور امت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ قرآن پاک کے ایک لفظ کا انکار بھی انتہائی سنگین جرم ہے مگر دو مستقل سورتوں کے انکار کے باوجود اس مبارک عہد میں جس سے زیادہ حمایت حق اور مزاحمت باطل کا بعد کے کسی دور میں بھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے خلاف نہ کوئی ہنگامہ ہوا، نہ ان کی عظمت پر حرف آیا اور نہ ان کا مقام و مرتبہ گھٹا۔

صحابہ کرام کے عہد کے بعد بھی مکاتب فکر کا اختلاف رہا ہے اور فکر و نظر کا اختلاف اس درجہ ہوا ہے کہ فقہ کی کسی کتاب کو پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے گویا اسلامی شریعت، اختلافات کی شریعت ہے لیکن یہ سارے اختلافات ان کی عظیم الشان اور بے مثال وحدت میں رکاوٹ نہیں بنے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ اختلافات اتنے اہم فی الواقع ہیں بھی نہیں کہ امت کی اخوت و وحدت پر اثر انداز ہو سکیں جو ان سے کہیں زیادہ اہم اور ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مقصد جب عزیز ہوتا ہے تو اس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی آسان ہو جاتی ہے، اگر مقصد اقامت صلوٰۃ ہے اور اس پر پوری امت کا اتفاق ہے، تعداد نماز پر بھی امت متفق ہے، اور ارکان و اذکار پر بھی، تو ان بنیادوں پر اتفاق کے بعد اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ پڑنا چاہیے کہ آمین آواز سے ہو یا آہستہ سے، رفع یدین ایک بار ہو یا بار بار، بسم اللہ جہراً پڑھیں یا سراً، ہاتھ ناف کے اوپر باندھیں یا نیچے وغیرہ۔ ان میں سے کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس سے نماز کا مقصد متاثر ہوتا ہو یا نماز کی صحت و عدم صحت کا سوال پیدا ہوتا ہو۔

آج کل جن اختلافات کو ہوا دی جارہی ہے اور جن پر تشدد ہورہا ہے، آئے دن مساجد میں جھگڑے اور مار پیٹ ہوتی ہے، وہ ایسے مسائل ہیں کہ جن کی پشت پر کوئی شرعی نص موجود نہیں ہے مثال کے طور پر یہ مسئلہ کہ امام ومقتدی حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہوں یا اس سے پہلے۔ یہ ایسی بے بنیاد بات ہے کہ اسے کسی مسلک کی تائید بھی حاصل نہیں ہے مگر موجودہ امت کی نگاہ میں اسلامی اخوت اتنی حقیر اور ارزاں ہے کہ اسے اس جیسی بے بنیاد شئے کے لیے بھی قربان کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ہماری امت کے وہ افراد جو ہمارے ہم مشرب نہیں ہیں ان کا ہماری مساجد میں نماز ادا کرنا بھی ہمارے لیے لڑائی جھگڑے کا جواز فراہم کردیتا ہے۔ ظاہر ہے یہ صورت حال ہمیشہ سے نہیں تھی بلکہ بعد اور بہت بعد میں اس وقت پیدا ہوئی جب تیسری اور چوتھی صدی میں فقہی مجادلے ومناظرے شروع ہوئے اور فریق مخالف کو زیر کرنے کے لیے ہر زبان اور ہر حیلہ اختیار کرنا صحیح سمجھ لیا گیا۔ ہوا یوں کہ عہد صحابہ وتابعین کے بعد زمام خلافت جب ایسے نااہل لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی جو اس امانت کے کسی طور متحمل واہل نہ تھے اور نہ احکام شریعت سے انھیں کوئی لگاؤ وتعلق تھا۔ مجبوراً نظام حکومت چلانے کے لیے انھیں علماء وفقہاء سے مدد لینی پڑی، گرچہ اس دور میں بھی ایسے باکردار اور صاحب عزیمت علماء تھے جو دین پر مضبوطی سے قائم رہے مگر اکثریت عزت وجاہ کی طلب اور ارباب حکومت کے مطلوب کی خاطر حصول علم میں لگ گئی نتیجتاً وہ شاہراہ قرآن سے ہٹتی چلی گئی، اسی دور میں فقہی ومسلکی اختلافات کی اساس وبنیاد ان اصولوں کو قرار دے لیا گیا جو بعد کے وضع کردہ تھے، اس غلط فہمی کے نتیجہ میں اندھی تقلید کا مرض عام ہوگیا اور فکر ورائے کا اختلاف عداوت ودشمنی میں تبدیل ہوگیا۔ اس زمانہ میں دوسرے علوم وفنون میں مہارت پیدا کرکے ایک دوسرے کو زیر کرنے کا رجحان پیدا ہوا اور فلسفہ وعلم کلام جیسے علوم کے ماہرین وجود میں آئے جنھوں نے اپنی مہارت فن کے خوب خوب جوہر دکھلائے اور پھر اس کے بعد زمانہ جیسے جیسے گزرتا گیا، فتنہ آرائی، متعصّبانہ ذہنیت، اور فکر ونظر کی تنگی بڑھتی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی جس سے امت دوچار ہے، حالانکہ ان ساری عصبیتوں کا محاکمہ کرکے قرآن نے صاف صاف بتا دیا تھا کہ لوگو! تمہاری اصل ایک ہے، جس طرح تمہارا رب، تمہارا دین اور تمہارا نبی ایک ہے۔

قرآن مجید کی نگاہ میں ذات وبرادری فخر وتفاخر، برتر وکم تر کا ذریعہ نہیں ہیں بلکہ اس کی میزان میں سارے انسان برابر، سب کا خون محترم اور سب کی ناموس قیمتی ہے، اگر کوئی چیز فضیلت وبرتری کی بنیاد ہے تو وہ بندگی کا احساس ہے، ذات وبرادریاں محض پہچان اور تعارف کا ذریعہ ہیں۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ آدم وابلیس کی سرگزشت پیش کی گئی ہے، اس سرگزشت کو پیش کرنے کے جہاں دوسرے مقاصد ہیں وہاں ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مادی اسباب کو تفوق وبرتری کا ذریعہ سمجھنا اور محض اس کی بنیاد پر دوسرے کو حقیر وکم تر سمجھنا، غیر انسانی عمل ہے، کسی اختلاف کی بناء پر دوسرے سے عداوت رکھنا، اس کے

خلاف پروپیگنڈہ کرنا،فتوے بازیاں کرنا، اس کے ایمان وعقیدہ کونشانہ بنانا اور ہرطرح سے اسے نیچا دکھانے کی کوشش کرنا شیطان کا طریقہ ہےاور ایسے لوگ قرآن مجید کے رجسٹر میں حزب الشیطان میں شمار ہوں گے۔

ایک انسان کا دوسرے انسان سے مختلف ہونا فطری بات ہےاور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں سے ہے،قرآن پاک امت کواس عظیم نشانی پرغور کرنے کی دعوت دیتا ہےاور کہتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کومٹی سے پیدا کیا ہے،قرآن پاک کا یہ وہ تصور ہے جو ہرطرح کے امتیازات کوختم کرتا، ہرغرور کوتوڑتااورخاکساری کی تعلیم دیتا ہے۔

''اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا۔اب تم انسانی شکل میں زمین میں پھیلے ہوئے ہو،اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے جوڑے تمہاری ہی جنس سے بنائے تاکہ تم سکون حاصل کرسکواورتمھارے درمیان مودت ورحمت پیدا کردی، یقیناً اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔زمین وآسمان کی تخلیق اورتمہارے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف بھی اس کی عظیم نشانی ہے۔بے شک اس میں علم والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔اس کی نشانیوں میں تمہارارات کوسونا اوردن میں اس کا فضل ڈھونڈنا بھی ہے،اس میں بھی سننے والوں کے لیے نشانیاں ہی نشانیاں ہیں۔'' (الروم:۲۰-۲۳)

ان آیات میں قرآن پاک نے اختلاف کائنات اور اختلاف رنگ وزبان میں وحدت کا کتنا خوبصورت انداز میں تصور پیش کیا ہےاورانسان کودعوت دی ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کواس دائرہ کا پابند بنالے جووحی الٰہی کے پرکار نے کھینچا ہےتو کوئی وجہ نہیں کہ امت متحد نہ ہو۔

کبھی کبھی ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ یہ امت جو برسرپیکار ہےاور جس کا سب سے بڑا مسئلہ نااتفاقی ہے، اسی امت کے لاکھوں افراد حج کے موقع پرجمع ہوتے ہیں، اپنے اپنے مسلک کے ساتھ آتے ہیں، ایک ہی مسجد میں، ایک ہی وقت اور ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہیں،کوئی اپنے مسلک سے دست بردار نہیں ہوتا،کسی کی قومیت نہیں بدلتی،سب اپنی زبان ورنگ کے ساتھ ہوتے ہیں مگرسب کی نماز ادا ہوجاتی ہے،سب مخصوص ایام میں مناسک حج انجام دیتے ہیں، ایک ساتھ اورایک ہی انداز میں انجام دیتے ہیں،سوال یہ ہے کہ یہ بے شمار مسلکی،گروہی، جماعتی،فکری ونظری اورنسلی وعلاقائی اختلافات اس عظیم الشان یکسانیت میں مانع کیوں نہیں ہوتے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں سب کے سامنے اصل مقصد ہوتا ہے، اصل جب سامنے ہوتا ہےتو باقی چیزیں خودبخود پیچھے ہوجاتی ہیں، چنانچہ یہ فرق واختلاف ہےاوررہے گا،کبھی ایسا نہیں ہوااور نہ آئندہ ہوگا کہ انسانوں میں اس طرح کے فرق نہ رہے ہوں لیکن جب تک یہ فرق فطرت سے ہم آہنگ اورتعلیمات قرآن کے مطابق ہے، یہ زیورحیات

اور حسن زندگی ہے اور ہم آہنگی ختم ہوتے ہی وہ ناپسندیدہ اور قبائے زندگی پر بدنما داغ ہے۔

قرآن مجید کی دعوت، عملی دعوت ہے، وہ جانتا ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو مختلف صلاحیتوں اور الگ الگ عقل و دانش سے نوازا ہے، لازماً ان کے موقف میں فرق ہوگا۔ اس لیے وہ صرف یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ان اختلافات کے ساتھ امت قرآن کے حصار میں آجائے اور ان تمام اختلافات سے باز آجائے جن سے اس کی مودت و اخوت کو نقصان پہنچتا ہو۔ یہ وہ کتاب ہے جو غیروں تک کو اپنی وحدت میں سمو لینے کی بات کرتی ہے اور کہتی ہے:

''اے اہل کتاب آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یعنی یہ کہ صرف اللہ کی بندگی کرو اور اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرو۔'' (آل عمران:۶۴)

جب متفق علیہ امور میں اہل کتاب سے تعاون و اشتراک ہوسکتا ہے تو آپس میں کیوں نہیں ہوسکتا۔

وحدت و اتحاد کا حل صرف یہ ہے کہ امت قرآن پاک سے وابستہ ہوجائے۔ زندگی کی شب تاریک میں اس سے روشنی و رہنمائی حاصل کرے اور قرآن پاک کو مرکز بنا کر ایسی بنیان مرصوص بن جائے کہ اس میں کوئی دراڑ نہ ڈال سکے، ایک دل، بے شمار قالب بن جائے، تسبیح کے دانوں کے مانند بہت سی اور بہت طرح کی تو رہے مگر لڑی ایک ہو۔ امام مالکؒ کے الفاظ میں اس امت کی اصلاح اس منبع خیر سے ہی ممکن ہے جس سے اس کے اولین عہد کی اصلاح ہوئی تھی اور وہ منبع خیر خدا کی کتاب قرآن مجید ہے۔ لن یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

اور

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

اللہ تعالیٰ امت کو اخوت سے نوازے، اس کے دلوں میں اپنی پاک کتاب اور اپنے پیارے رسولؐ کی محبت پیدا کر کے اس کے درمیان الفت و محبت پیدا فرمائے اور نفرت و انتشار کے سارے اسباب ختم کردے۔ آمین، انہ سمیع مجیب۔

دعوت اسلامی میں خواتین کا مطلوبہ کردار

قرآن وسنت میں فریضہ دعوت کے مخاطب کون ہیں؟ کیا ان سے مخاطب صرف مرد ہیں، یا مرد وخواتین دونوں یکساں طور پر اس کے مخاطب ہیں؟ اور کیا اس کے لیے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی عنداللہ جوابدہ نہیں ہیں؟

دور اول میں اسلام کی نشرواشاعت میں کیا اس دور کی مسلم خواتین کا بھی ایک متحرک اور فعال کردار نہیں تھا؟

فی زمانہ مسلم خواتین کی کیا صورتحال ہے ؟ کیا بحیثیت مجموعی مسلم خواتین اپنا کوئی سماجی یا دعوتی کردار رکھتی ہیں؟

کیا یہ ضروری نہیں کہ آج جبکہ انسانی سماج کے مختلف شعبوں میں اور مختلف محاذ پر خواتین اپنا فعال اور نمایاں کردار ادا کررہی ہیں، مسلم خواتین کو بھی اپنا محاذ سنبھالنا ہوگا؟ اگر ہاں تو پھر اس کی کیا صورتیں ہوسکتی ہیں؟ اور اس کے لیے کیا لائحہ عمل درکار ہے ؟

یہ اور اس طرح کے متعدد سوالات ہیں جو دعوت اسلامی میں خواتین کے مطلوبہ کردار سے متعلق سامنے آتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں ان سوالات پر اچھی اور مفید گفتگو کی گئی ہے ، امید کی جاتی ہے کہ اس سے ہمارے درمیان ایک سنجیدہ علمی بحث کا آغاز ہوگا۔ (مدیر)

نسیم احمد غازی فلاحی، نائب صدر مدھر سندیش سنگم، موبائیل نمبر: 09213134150

قرآن مجید اور سیرت رسولؐ کے سرسری مطالعہ ہی سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد و خواتین دونوں ہی کو ایک خاص مقصد کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اور دونوں کے اندر اس مقصد کی تکمیل کے لیے مناسب اور موزوں صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ (سورۃ التوبۃ: ۷۱)

البتہ دونوں کی قوتوں اور صلاحیتوں کے پیش نظر دونوں کے میدان کار الگ رکھے گئے ہیں۔ بعض کام ایسے ہو سکتے ہیں جو دونوں کے کرنے کے ہوں اور بعض دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ۔ مگر مقصد ایک ہونے کے سبب وہ نوعیت اور انجام کے لحاظ سے ایک ہی قرار پاتے ہیں۔ اس لیے مرد و عورت دونوں میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ مندرجہ بالا آیت کریمہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ جو لوگ دعوتی، علمی اور اصلاحی میدانوں میں نمایاں کارنامے انجام دیتے ہیں ان کے پیچھے یقینی طور پر ایک خاتون (ماں، بیٹی، بہن، بیوی) کا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہ صرف کہاوت نہیں بلکہ حقیقت کی ترجمانی ہے۔ ایک خاتون میدان کارزار میں مرد کے شانہ بشانہ نظر نہ آتے ہوئے بھی اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

جہاں تک دعوت دین کا تعلق ہے تو اس میدان میں بھی خواتین کا رول ضروری ہے۔ یہ کام ان کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ دعوت کے کام میں سب سے بنیادی چیز داعی کی تڑپ اور اس کا ارادہ ہے۔ اور یہ چیز مردوں کی طرح خواتین کے اندر بھی پائی جاتی ہے۔ دعوت دین میں کئی مسئلے ایسے آتے ہیں جو بغیر خواتین کے تعاون کے حل نہیں ہو سکتے۔ مثلاً دعوت کے نتیجے میں آنے والے نئے افراد کی تربیت اور ان کو مسلم معاشرے میں ضم کرنے کا مسئلہ اہم ہوتا ہے۔ ہماری وہ خواتین جو اس کام کی اہمیت کو سمجھتی ہیں وہ ایسے افراد (مرد و عورت) کو قبول کرنے میں نہایت معاون ثابت ہوتی ہیں۔ وہ اپنے بیٹے بیٹیوں کی ذہنی تربیت اسی انداز پر کرتی ہیں کہ وہ نئے آنے والوں کو دل سے قبول کرنے لگتے ہیں۔

آج ہماری خواتین عصری اور دینی تعلیم سے آراستہ ہو رہی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان خواتین کی صلاحیتوں کو دعوتی کاموں کے لیے استعمال کرنے کا ایک جامع منصوبہ بنایا جائے اور پھر ان کا جائزہ لے کر دعوتی کام کے مختلف شعبوں میں ان کی خدمات حاصل کی جائیں۔ یہ خدمات حسب حال اور

موقع وہ اپنے گھروں میں قیام کرکے بھی انجام دے سکتی ہیں۔ ہماری جو بچیاں دینی اداروں میں تعلیم حاصل کررہی ہیں ان کے نصاب میں دعوتی امور کو خاص طور پر داخل کیا جائے اور ان کو وہاں علمی اور عملی تربیت دی جائے۔ مثلاً تصنیف وتالیف، ترجمہ اور صحافت کے میدان میں وہ اہم رول ادا کرسکتی ہیں۔ مسلم خواتین سے متعلق جو غلط فہمیاں غیر مسلموں کے ذہنوں میں ہیں ان کو دور کرنے میں خواتین ہی زیادہ مؤثر ثابت ہوسکتی ہیں۔ اس غرض کے لیے ہماری خواتین کو مدعو کی زبان پر دسترس حاصل کرنی ہوگی۔

منصوبہ بندی نہ ہونے کے سبب دعوتی میدان میں ایک بڑی آبادی کی صلاحیتوں سے ہم فائدہ نہیں اٹھا پارہے ہیں جو ایک بڑا خسارہ ہے۔ اگر اس کام میں باصلاحیت خواتین کا تعاون حاصل ہوجائے تو دعوتی کام میں غیر معمولی اضافہ ہوگا اور یہ ناممکن نہیں ہے۔

امیر احسن فلاحی، صدر جامعۃ الصالحات ہانسی، یوپی، موبائیل نمبر: 09450568139

اسلام ایک فطری دین ہے، اس نے صرف انسانوں کو مخاطب کیا ہے اور ان کی ہر صنف مرد وعورت، بوڑھے بچے حتی کہ عقلمندوں کے ساتھ کم عقلوں کو بھی مخاطب بنایا ہے۔ اور ان کی صلاحیتوں کے اعتبار سے ان سے الگ الگ مطالبات کئے ہیں۔ سب کے لیے حدود وقیود متعین کئے اور سب کا دائرہ کار بھی مقرر کیا۔ لیکن غیروں نے سب سے زیادہ ظلم عورتوں پر کیا ہے۔ ان سے ان کی حیا کی چادر چھینی، ان کے گھر کا اندرون چھینا، ان کی شفقت مادری چھینی، اور ان کو سیاست کے منچ پر، تجارت کی منڈیوں میں، اور کاروباری اداروں میں، حتی کہ کھیل کود کی محفلوں میں لاکھڑا کردیا۔ اپنوں نے بھی کم ظلم نہیں کیا، ان سے ان کے حقوق چھینے، ان کی تعلیم چھینی، ان کے اختیارات چھینے اور تمام معاملات میں ان کے ساتھ ناانصافی کا سلوک کیا۔

اسلام عورت کی ناموس کا خیال رکھتے ہوئے اور ان کو کچھ حدود وقیود کا پابند بناتے ہوئے زندگی کے مختلف میدانوں میں ترقی کرنے اور اپنی صلاحیتوں سے انسانیت کو فائدہ پہنچانے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ترغیب دیتا ہے۔ امہات المومنین، صحابیات اور مختلف دور میں علم وعمل کے میدان میں نمایاں کردار ادا کرنے والی خواتین ملت کی تاریخ اس پر شاہد ہے۔ خاص طور سے دعوت دین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم کی کوششوں کو محور اور مقصد رہا ہے، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بلاتفریق مرد وزن سب سے دعوت دین میں اپنی طاقت اور صلاحیت صرف کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ مثلا سورہ توبہ میں اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

وَالْـمُـؤْمِـنُـونَ وَالْـمُـؤْمِـنَـاتُ بَـعْـضُـهُـمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنکَر۔ (۷۱)

ترجمہ:''اور مومن مرد اور مون عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔''

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ دین کی دعوت وتبلیغ کرنا، اور دین کے قیام اور غلبے کی کوشش کرنا مردوزن دونوں کی یکساں ذمہ داری ہے۔ خاص طور سے عصر حاضر میں دشمنان اسلام کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں ہورہی ہیں، ان کا خاص ہدف بھی عورت ہے، ترقی اور جدت پسندی کے نام پر ایڈورٹائزنگ اور آزادئ نسواں کے نام سے جس طرح عورتوں کو بے حجاب کیا جارہا ہے اور اسلامی تہذیب وثقافت کو نقصان پہنچایا جارہا ہے، اس کا مقابلہ خواتین ملت زیادہ مؤثر انداز سے کرسکتی ہیں۔ اور اسلامی اقدار وروایات کی برتری کو بہتر طریقے سے ثابت کرسکتی ہیں۔ خواتین کے اندر دعوت دین کی صلاحیت اور باطل افکار ونظریات سے مقابلے کی استطاعت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی تعلیم وتربیت کے معیاری ادارے قائم کئے جائیں اور جامعۃ الفلاح بلریا گنج، جامعۃ الصالحات رامپور اور جامعۃ الصالحات بانسی جیسے تعلیمی ادارے جو اس ضرورت کی تکمیل کے لیے قائم ہیں ان کو مزید تقویت پہنچائی جائے۔ ان کے نظام تعلیم وتربیت کو مزید مؤثر بنایا جائے، اور یہاں کی طالبات میں داعیانہ کردار کو نکھارنے پر توجہ دی جائے۔

انعام اللہ فلاحی، شعبہ تعلیم مرکز جماعت اسلامی ہند وسابق صدر جامعہ مصباح العلوم چوکونیاں، موبائیل نمبر: 08130959045

عورت نہ صرف یہ کہ معاشرے کا نصف حصہ ہے بلکہ وہ نصف باقی کی بھی تعلیم وتربیت کرنے والی ہے۔ وہ آئندہ نسلوں کی تعلیم وتربیت اور نشوونما کی ذمہ دار اور مستقبل کی معمار ہے۔

کوئی دعوت، معاشرے کی اصلاح کی کوئی کوشش اور نظریاتی اور عملی تبدیلی کی کوئی تحریک عورت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ انسان کی شخصیت کی تعمیر کا آغاز گھر سے ہوتا ہے، اور اس کے رجحانات اور میلانات کی تشکیل ماں کی گود ہی سے شروع ہوتی ہے، اس لیے عورت ایک بڑی قوت اور اہم سرمایہ ہے۔ اگر وہ نیک وصالح، اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے والی اور مثبت کردار کی حامل ہوتو پورا معاشرہ خیر کا ضامن ہوگا، اور اگر اس کا کردار منفی اور غیر تعمیری ہوتو معاشرے میں ظلم وفساد عام ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے، اس کے لیے انہیں دین کی عظیم دولت سے سرفراز کیا ہے۔ جو لوگ اس دین کو اختیار کرلیں ان پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ دوسرے انسانوں تک اس دین کے پیغام کو پہنچائیں تاکہ اس کے فیضان سے پوری انسانیت مستفید ہوسکے۔ ارشاد ربانی ہے:

ادْعُ إِلِى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ (النحل:۱۲۵)

ترجمہ:''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ۔''

قُلْ هَـــذِهِ سَبِيْلِيُ أَدْعُو إِلَى اللّهِ عَلَى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیُ وَسُبْحَانَ اللّهِ وَمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِيْن۔ (یوسف:۱۰۸)

ترجمہ:''تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی اور اللہ پاک ہے، شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں''۔

وَالْـمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيْمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ۔ (التوبۃ:۷۱)

ترجمہ:''مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں''۔

مذکورہ بالا آیات اور قرآن مجید کی دوسری بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت دین کا کام نہ کسی زمانے کے ساتھ خاص ہے اور نہ کسی جگہ کے ساتھ، نہ جنس اور نسل کے ساتھ، نہ کسی فرد یا معاشرہ یا جمعیت و جماعت کے ساتھ، بلکہ اس کی ذمہ داری ہر مسلمان مرد اور عورت پر ہے۔ جس نے بھی اس پیغام کو سمجھ لیا اور قبول کرلیا۔ اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی قوت و طاقت کے مطابق دوسرے انسانوں تک اس کی دعوت کو عام کرے، اس لیے یہ دعوت جس طرح مردوں پر واجب ہے اسی طرح عورتوں پر بھی فرض ہے۔

دعوت دین کا حکم عمومی ہے، اس میں مرد و عورت سب شامل ہیں۔ شریعت میں عقیدہ، عبادات، اوامر و نواہی، حقوق و واجبات میں عام طور پر خطاب مذکر کے صیغے سے کیا گیا ہے۔ لیکن ان تمام امور میں مرد اور عورت دونوں کو یکساں مکلّف بنایا گیا ہے، سوائے مخصوص معاملات کے جن میں قرائن سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ حکم صرف عورتوں یا صرف مردوں کے لیے خاص ہے۔ باقی تمام احکام میں خطاب دونوں سے ہے۔ دعوت دین بھی انھیں امور میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دعوت اسلامی کے آغاز سے ہی عورت مرد کے شانہ بشانہ کار دعوت میں شریک رہی ہے۔ دعوت دین کی راہ کی مشکلات و آزمائشیں ہوں، دین کے دفاع اور نصرت کا کام ہو، دعوت دین میں ہجرت و جہاد کے مراحل ہوں، ہر جگہ اور ہر موقع پر عورتیں مردوں کے ساتھ ساتھ، ان کے زخموں پر مرہم رکھنے، آرام اور راحت فراہم کرنے اور تسلی اور ہمت بندھانے میں پیش پیش رہی ہیں۔ عہد نبوی کی بعض خواتین کے کردار کا ذکر فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے دین کی حمایت اور نصرت میں صرف اپنا مال ہی خرچ نہیں کیا بلکہ وہ اس تحریک کی تائید وحمایت کا بنیادی پتھر تھیں ۔ جب داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھبراہٹ ہوئی تو ان کو تسلی دی اور اطمینان دلایا اور فرمایا: ''اللہ آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ آپ غریبوں کی دستگیری کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، امانت کا خیال رکھتے ہیں، پریشان حال لوگوں کی خبر گیری کرتے ہیں ۔'' آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے: ''خدا کی قسم خدیجہ اس وقت ایمان لائیں جب سب کافر تھے، انھوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب سب نے جھٹلایا۔ انھوں نے اس وقت اپنا مال و دولت قربان کیا جب دوسروں نے اس معاملے میں پیش قدمی نہیں کی۔''

حضرت سمیہ بنت خباطؓ ابتدائی دور میں ایمان لانے والوں میں سے ہیں، ضعیف العمری اور کبرسنی کے باوجود دعوت دین کی راہ میں عزیمت واستقامت کا پہاڑ بنی کھڑی دکھائی دیتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخزوم کے محلے سے گزرے تو دیکھا کہ قریش کے لوگوں نے سمیہ رضی اللہ عنہا کو زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا رکھا ہے، اور پاس میں کھڑے ہو کر قہقہے لگا رہے ہیں اور انہیں مخاطب کرکے کہہ رہے ہیں، ''محمد کے دین کو قبول کرنے کا مزہ چکھو''، مظلوم خاتون کی بے بسی دیکھ کر آپ ﷺ آبدیدہ ہو گئے اور کہا، ''صبر کرو آل یاسر تمہارا ٹھکانہ جنت ہے''۔ یہی وہ خاتون ہیں جن کا خون تاریخ میں دعوت اسلامی کی راہ میں بہنے والا پہلا خون کہا جاتا ہے۔ اسلام کی راہ میں سب سے پہلی شہادت ان ہی کو نصیب ہوئی، جبکہ ابوجہل نے برچھے سے مار کر ان کو شہید کر دیا تھا۔

ام سلمیٰؓ ان جانباز خواتین میں سے ہیں جنھوں نے اپنے شوہر کے ساتھ حبش کی طرف ہجرت کی، پھر وہاں سے واپس آکر ہجرت مدینہ کا عزم کیا مگر نکلتے وقت ابوسلمی کو ان کے خاندان کے لوگوں نے روک لیا، اور بیٹی سلمی کو ابوسلمی کے خاندان والوں نے لے لیا۔ ام سلمی نے ہمت نہ ہاری بالآخر اللہ نے ایک سال بعد تینوں کو مدینہ میں اکٹھا کر دیا۔

ام حبیبہؓ کا عقد عبید اللہ بن جحش سے ہوا تھا۔ دونوں ابتدائی دور میں ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ ام حبیبہؓ کے باپ کا نام ابوسفیان اور ماں کا نام ہندہ تھا جس نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کرکے چپایا تھا۔ آپ کی پھوپھی کا نام ام جمیل تھا، جو ابولہب کی بیوی تھی، نانا کا نام عتبہ تھا جس نے اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ ام حبیبہؓ کا ایمان لانا جنگل میں آگ لگ جانے کے مترادف تھا۔ باپ بھائی، قبیلہ خاندان سارے لوگ دشمن ہو گئے اور ان پر عرصۂ حیات تنگ سے تنگ تر کر دیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے حبش کی طرف ہجرت کی۔ وہاں پہنچنے کے بعد ان کے شوہر نے مرتد ہو کر عیسائیت اختیار کر لی، مگر اس جواں عزم خاتون کا ایمان متزلزل نہیں ہوا۔ غریب الوطنی کی حالت میں ایک بچی کے ساتھ ایمان کی شمع کو فروزاں

رکھا۔ بعد میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کی سعادت حاصل ہوئی۔

ام حکیم بنت الحارثؓ جو عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی تھیں، فتح مکہ کے دن ایمان لائیں، ان کے شوہر مشرکانہ دین پر باقی تھے۔ فتح مکہ کے بعد انھوں نے خوف سے یمن کا رخ کیا۔ ام حکیم جب دولت ایمان سے سرفراز ہوئیں تو انہیں فکر دامن گیر ہوئی کہ میرے شوہر اس نعمت سے محروم رہ جائیں گے، جہنم کی آگ میں جلیں گے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے شوہر کے لیے امان کی درخواست کی، آپؐ نے امان دے دی تو انھوں نے یمن کا سفر کیا اور اپنے شوہر عکرمہ کو تلاش کرنے کے بعد ان سے رسول اللہؐ کی امان کا ذکر کیا، چنانچہ ان کی ترغیب وتلقین سے عکرمہ نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، پھر وہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبول اسلام کے لیے لے کر حاضر ہوئیں۔ اسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہونے کے بعد عکرمہؓ اپنی سابقہ زندگی پر نادم تھے۔ اس کے کفارہ کے لیے مختلف غزوات میں شریک ہوکر اپنی بہادری کا جوہر دکھاتے رہے۔ یہی عکرمہؓ ہیں جن کو غزوہ یرموک میں اس طائفہ کا سردار بنایا گیا تھا جس نے شہادت پر بیعت کی تھی۔ اسی غزوہ میں انھوں نے جام شہادت نوش کیا۔

ام عمارہؓ کا شمار انصار کی سابقین اولین صحابیات میں ہوتا ہے۔ وہ بیعت عقبہ کبیرہ میں شامل تھیں۔ ہجرت کے تیسرے سال احد کا معرکہ پیش آیا، اس میں اپنے بیٹے اور شوہر کے ساتھ شریک ہوئیں۔ جب تک مسلمانوں کا پلڑہ بھاری رہا وہ خواتین کے ساتھ مشکیزوں میں پانی بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کی خبر گیری کرتی تھیں۔ لیکن جب معمولی سی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرے میں لے لیا اس وقت جو چند سرفروش آپؐ کے آس پاس رہ گئے ان میں سے ایک ام عمارہؓ تھیں، انھوں نے اس وقت تلوار اور ڈھال سنبھال لی اور اس وقت جبکہ بڑے بڑے بہادروں کے قدم اکھڑ رہے تھے یہ شیر دل خاتون استقامت کی پہاڑ بن کر کھڑی رہیں۔ حضورؐ نے ان کی جاں نثاری دیکھ کر فرمایا: من یطیق ما تطیق یا عمارۃ ترجمہ: ''اے عمارہ جتنی طاقت تم میں ہے اور کسی میں کہاں ہے''۔ ان کی تلوار سے کئی مشرکین موت کے گھاٹ اترے۔ وہ آخر وقت تک لڑتی رہیں۔ ان کے شانے پر زخم آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بہادری دیکھ کر فرمایا: ''واللہ آج ام عمارہ نے سب سے بڑھ کر بہادری دکھائی ہے۔'' ام عمارہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ دعا فرمادیں کہ جنت میں آپؐ کی معیت نصیب ہو، آپؐ نے فرمایا ''اللھم اجعلھم رفقائی فی الجنۃ'' ام عمارہؓ کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ جاری ہوگئے: ما ابالی ما اصابنی من الدنیا ترجمہ: ''اب مجھے دنیا کی کسی مصیبت کی پروا نہیں۔''

یہ فاطمہ بنت خطابؓ ہیں، باپ خطاب، ماموں ابوجہل، دونوں اسلام کے شدید دشمن تھے۔

اسلام لانے سے قبل عمر کی دشمنی بھی جگ ظاہر تھی، فاطمہ بنت خطاب اپنے شوہر کے ساتھ جب اسلام میں داخل ہوئیں، تو عمر بن خطاب نے ان کو اوران کے شوہر کو مار پیٹ کر لہولہان کر دیا۔ بہن نے جب ثابت قدمی دکھائی اور کہا کہ اے عمر چاہے تم ہماری جان لے لو ہم جس کلمہ کو مان چکے ہیں، جو دعوت قبول کر چکے ہیں۔ اس سے کسی بھی قیمت پر پھرنے والے نہیں ہیں، تو بہن کے اس عزم وحوصلے کو دیکھ کر عمر کے دل میں بھی تجسس پیدا ہوا کہ دیکھیں وہ پیغام کیا ہے؟ سورہ طہ کی آیات پڑھتے ہی ان کے دل کی دنیا بدل گئی، بالآخر ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے۔

یہ عہد نبوی کی چند خواتین کے حالات ہیں۔ تاریخ اسلامی میں خواتین کی دعوت دین کے لیے فدائیت اور جاں نثاری کے ہزاروں واقعات بکھرے ہوئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ آج پھر خواتین کے اس کردار کا احیاء کیا جائے تاکہ خواتین اس میدان میں کما حقہ اپنا رول ادا کرسکیں۔ اس ضمن میں درج ذیل امور توجہ کے طالب ہیں:

۱) مسلم عورت کی اہلیت وصلاحیت اور اس کی کارکردگی کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ تعلیمی اعتبار سے، شعور وآگہی کے اعتبار سے، دین اسلام سے گہری وابستگی اور واقفیت کے اعتبار سے، اور جدید وسائل وذرائع سے واقفیت کے اعتبار سے۔

۲) دعوت دین کے سلسلے میں خواتین کی ذمہ داریوں اور دعوت دین کے تقاضوں کی تفہیم وتربیت کی ضرورت ہے۔

۳) تعلیم وتربیت، دعوت وارشاد، صحت وطب، تصنیف وتالیف، صحافت وغیرہ میں اسلامی نقطہ نظر کی حامل خواتین کی داعیانہ تربیت کی ضرورت ہے، بالخصوص تعلیم کا میدان جس کے ذریعہ دعوت اسلامی کا بڑا میدان سر کیا جاسکتا ہے۔

۴) مختلف سطحوں پر خواتین کی تنظیم اور سوسائٹیز کو قائم کرنے پر توجہ دی جانی چاہیے۔ جس سے نہ صرف ان کے اندر اعتبار بڑھے گا۔ بلکہ کام کے امکانات وہ خود پیدا کرسکیں گی۔

عنایت اللہ خاں فلاحی، صدر ہدی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، پرتاپ گڑھ۔
موبائیل نمبر: 9673578390

اسلام کی دعوت اور دین کی اقامت مرد وعورت دونوں کی یکساں ذمہ داری ہے، اور اللہ کے حضور اپنے اچھے اور برے اعمال کی جوابدہی میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ حضرت نوحؑ اور لوطؑ کا ایمان اور عمل صالح ان کی بیویوں کے کام نہیں آئے گا اور نہ ہی آسیہ بنت مزاحم کا ایمان اور صبر و استقامت ان کے ظالم شوہر فرعون کے کام آئے گا، اسی لیے اللہ تعالی نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر

مومن مرد اور مومن عورتوں کا علیحدہ علیحدہ تاکیداً ذکر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ سورہ توبہ آیت نمبر ۷۱ر میں ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ۔

ترجمہ: ''ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے منع کرتے ہیں''۔

اسلام کی دعوت و اقامت کا کام اللہ کی طرف سے ایک اہم فریضہ ہے، جسے دونوں کو مل کر انجام دینا ہے۔

آج پوری دنیا میں برائیوں کا ایک سیلاب امنڈ آیا ہے، اس کی نشر و اشاعت میں دنیا بھر کے مرد و خواتین دونوں برابر جدو جہد کر رہے ہیں۔ برائیوں کے ہر محاذ پر غیر مسلم خواتین آگے آگے ہیں، آزادئ نسواں کا سہارا لے کر وہ مسلم خواتین پر خصوصاً کئی اعتراضات کرتے ہیں۔ اس لیے مسلم خواتین پر مزید ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس چیلنج کو قبول کریں اور خواتین میں دعوت اسلامی کا کام خواتین کے ذریعہ ہو۔ یہ نفسیاتی طور پر اور اپنے اثرات کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوگا۔ اس کے لیے چند اہم خوبیاں مطلوب ہیں:

(۱) اسلام کی دعوت و اقامت کے لیے سب سے پہلی چیز جو ضروری ہے وہ عزم و حوصلہ، پختہ ارادہ اور اپنی دعوت پر کامل یقین ہے۔ جب خواتین اسلام کے اندر دعوت اسلامی کا جذبہ پیدا ہو جائے اور وہ عملاً دعوت و اصلاح کے کاموں میں حصہ لینے لگیں۔ تو یقیناً وہ ساری خوبیاں اور وہ تمام مطلوبہ کردار جو ایک داعیہ کے اندر ہونا چاہیے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

(۲) دین کا ضروری علم اور فہم حاصل کرنا۔ جس دین کے ہم داعی ہیں اس کا علم، فہم اور شعور ہونا بہت ضروری ہے۔ عمل کے لیے بھی علم ضروری ہے اور دعوت کے لیے بھی۔ علم کی روشنی سے ہی ہم تاریکی کو دور کر سکتے ہیں۔ اللہ نے اس کام کے لیے جتنے بھی پیغمبروں کو مبعوث کیا انہیں سب سے پہلے علم کے ہتھیار سے لیس کیا۔ علم ہی سے ہمارے اندر یقین پیدا ہوگا، علم ہی سے ہم دین پر قائم رہ سکیں گے اور علم ہی سے ہم لوگوں کو قائل کر سکیں گے۔

(۳) اسلام کا عملی اور مثالی نمونہ بنیں: اسلام کی دعوت کا سب سے مؤثر طریقہ اسلامی کردار و اخلاق ہے۔ جس دین کے ہم داعی ہوں وہ دین ہماری زندگی میں اور ہمارے گھروں میں نہ ہو تو گویا ہم اس دین کو خود اپنے کردار کے ذریعہ مشکوک بنا دیتے ہیں۔ اسلامی اخلاق و کردار کا عملی نمونہ بن کر ہی ہم اسلام کا صحیح تعارف کرا سکتے ہیں۔ اسلام حسن اخلاق سے پھیلا ہے، ہمارا کردار اسلامی

کردار ہو، ہمارا گھر اسلامی گھر ہو، یہی اسلام کی خاموش ومؤثر دعوت ہے۔ گھروں کی نگہبانی خواتین کے ذمہ ہوتی ہے وہ ہوم منسٹر ہوتی ہیں، مختلف گھر مل کر ایک سماج اور سوسائٹی وجود میں آتی ہے۔ تمام ہوم منسٹرس کو اختیار ہے کہ اپنے گھر کو اسلامی بنادیں اور اعلان کردیں کہ اس گھر میں اللہ کا قانون چلے گا، صرف اللہ کی مرضی چلے گی اور صرف اللہ رب العالمین کی بندگی کی جائے گی۔ دعوت اسلامی کا آغاز فرد اور اپنے گھر سے شروع ہوتا ہے۔ داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو اسلامی ریاست تشکیل دی وہ ان کا اپنا گھر تھا۔ آغاز اسلام میں تحریک اسلامی کی حمایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر سے ملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غمگسار زوجہ مطہرہ ام المومنین خدیجہ الکبریٰ کا مثالی کردار ہمارے سامنے ہے۔

تقریر سے ممکن ہے نہ تحریر سے ممکن
وہ کام جو انسان کا کردار کرے ہے

(۴) داعیان اسلام کی تیاری وتربیت: داعیان اسلام کی تربیت میں خواتین اسلام کا اہم کردار رہا ہے، خواتین کی پاکیزہ آغوش ایک بہترین تربیت گاہ ہے۔ یہ ایسی تربیت گاہ ہے جو انسانیت کی ٹکسالی ہے۔ یہیں سے انسانیت کی خوبیاں، صلاحیتیں اور قابلیتیں پروان چڑھتی ہیں۔ یہیں سے انسان کے مستقبل کا رخ متعین ہوتا ہے۔ یہیں سے انسان کی سیرت وکردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ یہی وہ تربیت گاہ ہے جہاں اسلام کے داعی، خادم، مجاہد اور مفسر ومحدّث تیار ہوئے ہیں۔ دعوت اسلامی کے لیے افراد سازی اور تربیت کے اہم کام کو خواتین کو اپنے ذمہ لینا ہوگا۔ اسلامی تاریخ اس بات پر شاہد کہ خواتین اسلام نے اس میدان میں بڑی قربانیاں دی ہیں۔ بہت ہی محنت و جانفشانی سے نئی نسل کی تربیت کرکے انہیں داعیان اسلام بنایا ہے۔ بی بی ہاجرہ نے حضرت اسماعیلؑ کی تربیت کی، حضرت مریمؑ کی تربیت بی بی حنّہ کی آغوش میں ہوئی، خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراء کی تربیت ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی آغوش میں ہوئی۔ سیدنا امام حسنؓ اور حسینؓ کی پرورش حضرت فاطمہؓ کے یہاں ہوئی۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے شجاعت و بہادری کا درس اپنی والدہ حضرت اسماءؓ سے لیا۔ ناصر الحدیث امام شافعیؒ کو حدیث کا امام ان کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ نے بنایا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو پیران پیر بنانے میں ان کی والدہ فاطمہ ام الخیر کا ہاتھ ہے۔ سید احمد شہیدؒ کے اندر مجاہدانہ جذبہ ان کی والدہ سیدہ نجیبہ نے پیدا کیا۔ سیدہ خیر النساء کی کوشش اور محنت سے سید ابوالحسن ندویؒ دین کی خدمت کے لائق ہوئے۔ علی برادران (محمد علی جوہر اور شوکت علی) کو احیاء خلافت کے لئے آبادی بیگم عرف بی اماں نے تیار کیا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے اندر اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ ان کی والدہ رقیہ بیگم نے پیدا کیا۔ غرض یہ کہ اسلام کی دعوت واقامت کے لیے ہر دور میں خواتین نے افراد

سازی کا کام کیا ہے۔

تہذیب ہے عورت کے بس میں — وہ کیسی نسلیں جنتی ہے
وہ کیسے مرد بناتی ہے — وہ کیا اخلاق سکھاتی ہے
کیا جذبہ آخر گھول کے وہ — بچے کو دودھ پلاتی ہے
کس کیفیت کی مستی میں — وہ میٹھی لوری گاتی ہے

(۵) اجتماعیت سے شعوری وابستگی: اسلام کی دعوت وا قامت کے لیے خواتین کی صالح اجتماعیت سے شعوری وابستگی بہت ضروری ہے۔ اجتماعیت سے الگ ہوکر کوئی بھی کام مؤثر نہیں ہوسکتا۔ دور نبوی اور اس کے بعد کے ادوار میں تمام خواتین براہ راست اسلامی اجتماعیت سے وابستہ تھیں۔ اور قرآن کی اس آیت کا منشا بھی یہی ہے کہ مومن مرد اور مومن عورتیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ باہم مل کر یہ کام کرنا ہے۔ قرآن وحدیث میں جہاں بھی اجتماعیت کا حکم دیا گیا ہے وہاں صرف مردوں کو ہی مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ اس میں خواتین بھی شامل ہیں۔ آج غیر اسلامی افکار ونظریات کی تبلیغ واشاعت کے لیے غیر مسلم خواتین منظّم ہورہی ہیں۔ لیکن امت مسلمہ کی خواتین اسلامی اجتماعیت سے بہت دور ہیں۔

فریضہ دعوت اسلامی اور اقامت دین کے لیے ضروری ہے کہ خواتین اسلامی اجتماعیت سے وابستہ ہوں۔ ورنہ بھیڑیا ہماری تاک میں لگا ہے کبھی بھی اُچک سکتا ہے۔

ام نبیل فلاحی، معلّمہ کلیۃ البنات، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی

ارشاد باری تعالی ہے:

ادْعُ إِلِى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ۔ (سورۃ النحل:۱۲۵)

دعوت دین کے سلسلے میں یہ ایک انتہائی جامع آیت ہے جس میں دعوت کی فرضیت، داعی کی صفات، اور دعوت دین کے طریقہ کار کی وضاحت ہے۔ دعوت کا کام صبر واستقلال، اولوالعزمی اور حکمت کا متقاضی ہے۔ سعادت مند ہیں وہ لوگ جو اس کار عظیم کے لیے کھڑے ہوئے۔

دعوت کی ضرورت واہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہونا چاہئے، اسی طرح اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ غیر مسلمین میں دعوت دین کا کام ہو یا امت کی اصلاح اور اقامت دین کی دیگر کوششیں، اس میں خواتین کا کردار اہم ہے۔ جس طرح تعلیم کے متعلق ماہرین کا خیال ہے:

الأم مـــــدرسة اذا أعـــــدد تهـــــا

اسی طرح دعوتی اور تحریکی پہلو سے بھی خواتین کی کوششیں دورس اثرات کی حامل ہوتی ہیں۔ دعوت دین کے لیے صحابیات کی کوششیں محتاج بیان نہیں۔ نبی کریمؐ کی فوراً تصدیق کرنے اور آگے بڑھ کر ایمان لانے والی اول خاتون حضرت خدیجہؓ کا کردار دوسری خواتین کے لیے حوصلہ افزا رہا ہے۔ اسی طرح حضرت ام شریکؓ کی جدوجہد قابل ذکر ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک خواتین اقامت دین کے لیے کوشاں رہیں اور مردوں کا بھرپور تعاون کرتی رہیں، اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات کو کوئی روک نہیں سکا۔ بلکہ بسا اوقات جب مردوں کے حوصلے پست ہونے لگے اس وقت خواتین نے بڑھ کر میدان سنبھالا، جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

جب تاتاریوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو صنم خانے سے پاسباں فراہم کرنے میں عورتوں کی جدوجہد کا بڑا دخل رہا، ان کے زیردست جو مسلم خواتین تھیں انھوں نے بہت ہی صبر و استقلال کے ساتھ ان ناگفتہ بہ حالات کا مقابلہ کیا اور حکمت و دانائی سے شیطان صفت حیوانوں کو انسان بناڈالا۔

گرچہ یہ حقیقت ہے کہ برصغیر میں دعوتی کوششوں میں یا علم وفن کے دوسرے شعبوں میں اسلام پسند خواتین کا کوئی بڑا کارنامہ مذکور نہیں بجز مریم جمیلہ جیسی چند ایک خواتین کے، مگر پھر بھی یہ بات قابل یقین نہیں لگتی کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کے قبول اسلام میں خواتین کی کوششوں کا دخل نہیں، یقیناً ان کی خاموش جدوجہد تاریخ کے صفحات پر درج نہیں ہوسکی۔ دورجدید میں پاکستان کی حمیدہ آپا اور ڈاکٹر عذرا بتول کے نام قابل ذکر ہیں، جن کی اصلاحی کوششیں ہمارے لیے نمونہ ہیں۔ البتہ غیر مسلمین میں مسلم خواتین کا کوئی قابل ذکر کام نہیں ملتا۔

عورت کا میدان کار اصلاً اس کا گھر ہے۔ فرمان رسول ہے: والمرأة راعية في بيت زوجها ۔ شوہر کی خدمت، بچوں کی تربیت، انھیں داعی اور مجاہد بنانا ان کا اصل مشن ہے جس کی شاندار مثالیں ہمیں صحابیات رضی اللہ عنهن جميعا کی زندگیوں میں ملتی ہے۔

دعوت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے فریضہ سے خواتین کی غفلت کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ترابی لکھتے ہیں: ''دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں سے سب سے بڑی شکایت یہی ہے کہ انھوں نے خواتین کی قوتوں اور صلاحیتوں کا بھرپور استعمال نہیں کیا ہے''۔ چنانچہ جن ممالک میں اس جانب توجہ دی گئی جیسے سوڈان، ایران اور ملیشیا وہاں خواتین کی اسلامی تحریکات مختلف محاذوں پر سرگرم عمل ہیں، اور بین الاقوامی فورموں میں زیادہ تر انہی ممالک کی خواتین اسلام کی نمائندگی کرتی ہیں۔

ہندوستان میں جماعت اسلامی کی کوششیں بھی قابل قدر ہیں مگر خواتین کے معاملے میں مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ انفرادی طور سے ہر رکن جماعت اس جانب توجہ دیتا، تو صورتحال بہت مختلف ہوتی۔ جبکہ صورتحال یہ ہے کہ انتہائی مخلص اور فعال دُعاۃ اورارکان کے گھروں کی خواتین کو جب اصلاح معاشرہ کی جانب متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ بے رغبتی کا مظاہرہ کرتی ہیں، الا ماشاءاللہ۔

دینی مدارس اسلام کے قلعے سمجھے جاتے ہیں۔ اتر پردیش میں لڑکیوں کے دو قابل ذکر دینی ادارے ہیں، حالانکہ ادارے تو بے شمار ہیں، جن میں ایک جامعۃ الفلاح ہے، جہاں سے عالمیت وفضیلت کرنے والی طالبات کی تعداد تقریباً تین ہزار ہے مگر دعوتی سرگرمیوں میں فعال فارغات کے نام ڈھونڈنے پر نہیں ملتے۔ اسباب بہت کچھ ہیں، ایک خاص سبب دوران تعلیم دعوتی کاموں کے مواقع اور عملی مشق کا نہ ہونا ہے۔

مطلوبہ کردار کی حامل داعیات دین تیار کرنے کے لیے وہ تجاویز ومشورے قابل قدر ہیں جو گزشتہ شماروں میں ہمارے فلاحی برادران نے اپنے تجربات کی روشنی میں پیش کیے ہیں۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضی

سمیه سبحانی فلاحی، ریاض، سعودی عرب

دعوت دین کی اہمیت جاننے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ دعوت دین اور علم دین کے لئے نکلنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث کے حامل ہوتے ہیں، ان کے سروں پر میراث رسالت کا تاج ہوتا ہے۔

جہاں آپؐ نے علماء کو انبیاء کرام کا وارث بتایا، وہیں بلغو اعنی ولو آیۃ کا حکم بھی دیا ہے۔ تعلم اور تعلیم، سیکھنا اور سکھانا یہ دعوت دین کا دوسرا نام ہے۔ دعوت دین ہو یا تعلیم و تعلم اس حکم میں مرد وعورت یکساں طور پر شریک ہیں۔ فرق صرف استطاعت اور صلاحیت کا ہے۔ ہر فرد ذمہ دار ہے مگر ذمہ داری کی شکل اور اس کا معیار مختلف ہوسکتا ہے۔ البتہ حسب حالات اور حسب صلاحیت سب مکلّف ہیں۔ خاص طور پر جب برائی کا طوفان امڈ پڑے تو سلامتی کا ایک ہی راستہ ہے۔ یہی واحد ذریعہ ہے اسلام کا پیغام عام کرنے اور شرک اور برائیوں کی آواز دبانے کا۔ یہی واحد ذریعہ ہے پرامن اسلامی معاشرہ قائم کرنے، اور آپسی بھائی چارہ اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا کرنے کا۔ یہی راستہ ہے فلاح دارین حاصل کرنے کا۔ اور یہی طریقہ ہے حلال وحرام کی جانکاری اور دینی شعور پیدا کرنے کا۔

مقصد ایک مگر طریقۂ کار مختلف؛ ہم میں سے ہر ایک اس فرض کو پہچانے۔ ہم اپنی پوری طاقت صرف کرکے، ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اپنا ہدف حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ صبح وشام اسی فکر میں

رہیں، اپنے اپنے دائرہ کار میں۔ وہ دائرہ کار چھوٹا بھی ہوسکتا ہے اور بہت وسیع اور اعلیٰ سطحی بھی، مگر اس کام کے چھوٹے اور اعلیٰ سطحی ہونے کا فیصلہ ہم نہیں کر سکتے۔ اس کا فیصلہ تو مالک یوم الدین کرے گا۔ حضرت ربیعۃ ابن فروخ کی والدہ نے کس طرح قربانیاں دے کر اپنے اکلوتے بیٹے کو جلیل القدر علماء کے زمرے میں شامل کر دیا۔ یہ بھی چھوٹا کام نہ تھا۔ حالانکہ وہ مقررہ نہ تھیں، خطیبہ نہ تھیں، انھوں نے اجتماعات، سمیناروں میں حصہ نہ لیا تھا، وہ مؤلفہ یا مصنفہ نہ تھیں، انھوں نے مضامین اور مقالے بھی نہیں لکھے تھے۔

امام فراہیؒ اور دیگر ائمہ کو دیکھیے، ان کی مائیں عالمہ فاضلہ نہ تھیں، ان کے پاس کوئی ڈگری نہ تھی مگر انبیاء کرام کی میراث کا حق ادا کرنے کا جذبہ تھا، اور وہ بہترین طریقے سے ادا کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کو منتخب کیا تو انتخاب کا سبب یہی تھا کہ ایسی ماں ہو جس کی آغوش میں اپنے جگر گوشوں کو دے کر آپؐ دو دو تین تین دنوں کے لیے غار حراء میں چلے جاتے، پوری قوم کی بت پرستی سے نالاں تھے، مگر اپنی بچوں سے اس کا اندیشہ نہ تھا، یہ تو مؤحدہ کی گود میں تھے۔ فکرمند تھے پوری قوم کے لیے، مطمئن تھے اپنے گھر سے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ عورتوں کا حصہ اس کے گھر کے اندر یا بچوں کی پرورش تک محدود ہے۔ قرآن پاک، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کی سیرتیں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ خود کو قابل تقلید نمونہ بنا کر پیش کریں۔ مؤثر ذرائع کے ساتھ، ممکنہ طریقوں کے ساتھ میدان دعوت میں قدم رکھ دیں۔ اللہ ہمارا حامی وناصر ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ۔ (سورۃ محمد: ۷)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا۔''

اپنے دین کی مدد کو اپنی مدد کہہ کر اللہ تعالیٰ نے دین کے جاں نثاروں کا درجہ اتنا بڑھا دیا کہ اس سے بلند کسی درجے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی فریضے کی ادائیگی پر باری تعالیٰ نے ہمیں خیر امت کا لقب دیا ہے، اسی فریضے میں تساہلی کی وجہ سے یہود ونصاریٰ پر ذلت ورسوائی مسلط ہوئی اور خدا کا غضب ان کا مقدر بن گیا۔

محمد صادق ظلی فلاحی، اعظم گڑھ یوپی، موبائیل نمبر: 9795842573

نعیم صدیقی مرحوم نے کہا تھا:

تم ہمت ہو تم قوت ہو   تم طاقت ہو تم جرأت ہو

تم اک پرجوش جسارت ہو
تم اک بارعب شجاعت ہو
تم اک رنگین قیامت ہو
تم عزت،عفت،عصمت ہو تم عظمت شوکت الفت ہو
تم رحمت، راحت، شفقت ہو
تم نصفِ انسانیت ہو

عورت نصف آبادی اور نصف انسانیت ہے۔عورت ہی حضرت انسان کی معلم اول ہے۔عورت صنف نازک ضرور ہے مگر بڑی ہی صابروشاکر، جفاکش، اور مضبوط قوت ارادی کی مالک ہے۔عورت عضو معطل نہیں، ناقص العقل نہیں، بلکہ زندگی کی گاڑی کا دوسرا پہیہ ہے۔عورت سراپا شفقت ومودت ہے، باعث تسکین وراحت ہے۔بقول اقبال ؎

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

اسلام مرد اور عورت میں ذرہ برابر بھی تفریق نہیں کرتا۔دونوں ہی اس کے لیے یکساں اور برابر ہیں۔اسلام دونوں کو مساوی طور پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔اور اقامت دین کی جدوجہد کے لیے بھی دونوں کو یکساں پکارتا ہے۔بندگان خدا کو مالک حقیقی سے روشناس کرانے کے لیے بھی مرد وعورت کی کوئی تخصیص نہیں کرتا، دعوت دین اور شہادت حق کے لیے قرآن نے بالکل عمومی انداز اختیار کیا ہے (آل عمران:۱۰۴،۱۱۰۔فصلت:۳۳،الحج:۷۸)

بحیثیت مسلم ایک مرد پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ٹھیک ویسی ہی ذمہ داری دائرہ کار اور طریقہ کار کے فرق کے ساتھ ایک مسلم عورت پر بھی عائد ہوتی ہے۔

دعوت اسلامی فرض عین ہے۔دائرہ اسلام میں داخل ہر فرد کو خواہ مرد ہو یا عورت، اپنے اپنے دائرہ کار میں دعوت اسلامی کو بندگان خدا تک پہنچانے کی مقدور بھر کوشش کرتے رہنا ہے۔کسی کا کیا ہوا کام دوسرے کے لیے نہ تو کافی ہوسکتا ہے اور نہ ہی خدا کی بارگاہ میں اسے بدل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔مسؤولیت اور جوابدہی میں اگر ہر ایک کی انفرادی ذمہ داری نہیں ہوتی تو حضرت نوح علیہ السلام کی صدی بھر کی پرمشقت دعوت ان کی اہلیہ اور صاحبزادے کو ضرور بچالیتی، مگر قرآن گواہ ہے کہ وہ نہ بچا سکی۔حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی دردناک پتھروں کی مار سے نہ بچ سکی۔اور نہ ہی امرأۃ فرعون، فرعون کو بچا سکی۔یہی وہ چیز تھی جس کی وضاحت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کی دو نہایت عزیز ترین خواتین کو ان الفاظ میں مخاطب فرمایا تھا: ''اے محمد کی بیٹی فاطمہ اور اے رسول خدا کی پھوپھی صفیہ دوزخ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرو، کیونکہ میرا رشتہ تمہارے لیے خدا کے یہاں

کچھ کام نہ آئے گا۔‘‘

اسلام عورتوں کو گھروں میں ٹک کر رہنے اور گھروں سے چمٹے رہنے کی تلقین ضرور کرتا ہے (وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاھلیۃ) مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جاسکتا کہ وہ محض خاتون خانہ ہیں۔ گھر سے باہر ان کا کوئی کام نہیں۔ وہ اپنے گھر کی دیکھ بھال کرلیں، اپنے بال بچوں کی تعلیم وخدمت اور اصلاح وتربیت کرلیں، بس، اگر وہ اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی ادا کرلیں، تو وہ دعوت کی ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہوجاتی ہیں۔ بلاشبہ ایک مسلم عورت کو اپنی گھریلو ذمہ داریاں ادا کرنی ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح ایک مرد کسب معاش اور نان نفقہ سے غفلت نہیں برت سکتا۔ کمی اور کوتاہی نہ تو اپنی گھریلو معاشی اور معاشرتی ضرورتیں پوری کرنے میں کسی کو کرنا ہے اور نہ ہی دینی ودعوتی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں۔

ہمارا سماج ایک تکثیری سماج ہے، اور بحیثیت داعی ایک تکثیری سماج میں ہمارا ہر عمل مثالی ہونا چاہیے۔ دعوت دین اور شہادت حق کا فریضہ ادا کرنا ہے تو ہمارے ہر عمل اور کردار سے مدعو قوم کو اچھا پیغام جانا چاہیے۔ دعوت کا کام انفرادی بھی ہوسکتا ہے اور اجتماعی بھی۔ مسلم خواتین مدعو قوم کی خواتین پر خصوصی توجہ دیں اور ان سے تعلقات کو مضبوط ومستحکم بنائیں۔ اپنے اخلاق وکردار کو بلند کریں، اپنے گھر اور گھریلو ماحول کو صاف ستھرا رکھیں، اور اسے پرسکون بنائیں۔ تعلیم وتربیت اور تہذیب کا معیار بلند کریں، یاد رکھیں کہ مدعو قوم کو جب تک یہ احساس نہیں ہوگا کہ تعلیم وتہذیب اور اخلاق وکردار میں آپ کا معیار ان سے بلند ہے وہ آپ سے کبھی متأثر نہیں ہوں گے اور نہ ہی آپ کی دعوت بارآور ہوگی۔

اسماء فیروز اعظمی فلاحی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، بھوپال سینٹر

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات، کائنات میں مختلف چیزیں اور پھر انسانوں کو ایک عظیم الشان مقصد کے تحت پیدا کیا ہے۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے اس نے انسان کو بہترین ساخت، علم وفن، شعور اور دیگر مہارتیں دے کر مبعوث کیا ہے۔ وہ عظیم الشان مقصد کیا ہے اس کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (سورۃ ق:۵۶)

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ (سورۃ الملک:۲)

عبادت خالق اور احسان عمل کے راستے کی بھی اس نے وضاحت کردی ہے کہ ’’انّ الدّینَ عِندَ اللّٰہِ الِاسلَام ‘‘ گویا اسلام ہی وہ طریق کار ہے جس کے مطابق چل کر انسان اس عظیم الشان مقصد کی

تکمیل کرسکتا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ انسانوں کا اس طریق کار کو تلاش کرنا، اس پر کاربند رہنا اور دوسروں کو اس راستے کی طرف بلانا ہی دراصل دعوت اسلامی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے عورت اپنی تخلیق کی اولین ساعت ہی سے مرد کی طرح ایک مستقل وجود رکھتی ہے، اس کی زندگی کا مقصد بھی بندگیٔ رب ہے بالکل اسی طرح جیسے مردوں کی زندگی کا مقصد۔ بہ حیثیت انسان وہ بھی مردوں کے مساوی ہے اور ان تمام انسانی حقوق کی وہ اہل ہے جو مردوں کو حاصل ہیں اور اعمال کے نتائج میں بھی مرد وعورت کے بیچ کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں واضح لفظوں میں کہا گیا ہے:

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔ (النساء۔۳۲)

قرآن مجید میں جہاں جہاں دعوتی کام کے لیے ابھارا گیا ہے وہاں مرد وعورت میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے:

"كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ" (آل عمران:۱۰۰)

یہ اور اس طرح کی تمام آیات میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی مخاطب ہیں۔ جس طرح مرد دعوتی فریضے کی ادائیگی کے سلسلے میں جوابدہ ہیں اسی طرح خواتین بھی اللہ کے حضور جواب دہ ہوں گی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ (سورۃ البقرۃ:۱۴۳)

قرآن وحدیث میں جن صالح مسلم خواتین کا تذکرہ آیا ہے ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ایمان اور دعوت اسلامی کو لے کر مردوں کی طرح حساس اور سنجیدہ تھیں بالخصوص حضرت ہاجرۃ، امرأۃ فرعون، مریم بنت عمران اور ملکۂ سبا جیسی باشعور مسلم خواتین جنہوں نے دعوت اسلامی کے مختلف محاذوں کو سر کیا اور تاریخ میں اپنی مثال رقم کی۔

نزول قرآن کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی دعوتی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم جدوجہد میں مردوں کے شانہ بشانہ خواتین بھی مستقل سرگرم عمل تھیں۔ اسلام کی پہلی پکار پر لبیک کہنے والی اولوالعزمی کا پیکر حضرت خدیجہؓ کی مثال پیش کی جائے یا دعوتی میدان میں جام شہادت نوش کرنے والی پہلی خاتون حضرت سمیہؓ کو یاد کریں، ام شریکؓ کی مثال کو سامنے رکھیں جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام کے لیے وقف کردیا اور Door to Door جا کر اسلام کی دعوت پیش کی، یا حضرت ام عمارہؓ کی ان جانفشانیوں کو یاد کریں جو آپ نے دعوتی جدوجہد میں پیش کیں۔ یہی نہیں دعوتی مشن کے اس قافلے میں بے شمار صحابیات نے اپنا رول ادا کیا اور تن من دھن کی قربانی پیش کی جن میں

حضرت زینبؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت عائشہؓ اور ام سلمٰی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

دعوتی ذمہ داریوں اور اسلام کی حیات آفریں تعلیمات کو پیش نظر رکھ کر تحریکی خواتین نے ہندو پاک میں اپنے وجود کی حرارت اور تقدس کو ہمیشہ محسوس کرایا ہے اور بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ جنہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ مثالیں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں:

☆ ہندو پاک کی تقسیم کے بعد جب ہندوستان میں جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی گئی اور اس کا مرکز پٹھان کوٹ پنجاب مقرر ہوا اس وقت قائد تحریک اسلامی مولانا مودودیؒ کی اہلیہ محترمہ محمودہ بیگم نے تمام تر مشقتوں کا سامنا کیا اور نہایت صبر واستقلال کے ساتھ مولانا کا ساتھ دیا۔

☆ مہاراشٹر میں حمید دلوائی کی مہم کے نتیجے میں جب اسلام مخالف دشمنی زوروں پر تھی اور ۱۹۷۲ء میں انہوں نے پونہ میں مسلم پرسنل لا کے خلاف زہر افشانی کی تو جماعت اسلامی ممبئی نے مسلم خواتین کا عظیم الشان جلسہ منعقد کیا، اس میں خواتین نے نمایاں کردار ادا کیا۔

☆ ایمرجنسی (۱۹۷۵ تا ۱۹۷۷ء) کے دوران جب جماعت اسلامی ہند کو طرح طرح کی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا تو تحریک کے مردوں کے ساتھ خواتین نے بھی صبر واستقامت اور اولوالعزمی کا ثبوت دیا۔

☆ جب ملک میں شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے سے شدید اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی تو پوری مسلم ملت کے ساتھ تحریکی خواتین بطور خاص اٹھ کھڑی ہوئیں اور دہلی کے جامع مسجد علاقہ اور دہلی کے ہی جمنا پار علاقہ کی عیدگاہ میں عظیم الشان اجلاس کر کے اپنے موقف کی جرأت مندانہ وضاحت کی اور پھر تحریک کی برقعہ پوش خواتین نے وزیر اعظم راجیو گاندھی سے ملاقات کر کے سپریم کورٹ کے فیصلے سے پیدا شدہ الجھنوں اور مسلمانوں کا نقطہ نظر بہت ہی واضح انداز سے پیش کیا۔

آج ہم جس دور میں رہ رہے ہیں وہ ایک طرف علم وتحقیق اور انفارمیشن ٹکنالوجی کا دور کہلاتا ہے، اور انسانوں نے اس دور میں بجا طور پر ترقی کے اعلیٰ مراحل طے کئے ہیں۔ لیکن وہیں دوسری طرف فحاشیوں اور برائیوں کی آگ بڑی تیزی کے ساتھ انسانی سماج کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔ آج کے مسائل بحیثیت مجموعی تمام انسانوں کے لیے اور بالخصوص امت مسلمہ کے لیے بڑا چیلنج ہیں۔ گویا آج ایک بار پھر یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے۔ آج ایک بار پھر صنم کدہ کو خانہ کعبہ میں تبدیل کرنے اور اس میں لاالٰہ الا اللہ کی صدا بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا یہ فریضہ اس صدی کی طالبات اور خواتین کو آواز دے رہا ہے کہ

☆ آپ کو اپنے گھر اور خاندان کی ذمہ داری کو پہلے سے زیادہ شعور اور احساس ذمہ داری کے

ساتھ انجام دینا ہے اور نئی نسل کی آبیاری کرنی ہے جس کا ہر فرد مثالی مومن اور نئے دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

☆ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ مسلم خواتین کو ان کے مقام بلند سے آگاہ کریں، انہیں اسلام کے عطا کردہ حقوق وفرائض سے واقف کرائیں۔ خواتین سے متعلق مسائل کے اسلامی حل اور اس کی مقبولیت اور افادیت کا تیقن پیدا کریں۔

☆ مختلف فلاحی واصلاحی اداروں کے قیام کی ضرورت ہے تاکہ دورجدید کی مسلم وغیر مسلم خواتین اپنے مسائل سے بہ آسانی نبرد آزما ہوسکیں۔

☆ عصری تعلیم میں بھی مقام بلند حاصل کرنا ہے تاکہ اعلیٰ ترین صلاحیتیں مقصد کی حصولیابی اور نصب العین کی تکمیل میں معاون ومددگار رہوں۔

☆ Women's Empowerment اور اس طرح کی مختلف کوششیں جو حکومت اور مختلف اداروں کی طرف سے خواتین کے لیے کی جارہی ہیں قرآن وسنت کی روشنی میں ان کے مثبت پہلوؤں سے مستفید ہونا ہے۔

☆ افراد کے بیچ انفرادی تفاوت رکھنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں مختلف صلاحیتیں ودیعت کی ہیں ان صلاحیتوں کی شناخت کرنا ہے اور انہیں صحیح اور بہتر سے بہتر رخ دینا ہے۔

☆ اسلام کی دعوت وطنی بہنوں تک پہنچانا ہے اور اپنے قول وعمل سے انہیں باور کرانا ہے کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو تمام انسانیت کی فلاح وکامرانی کا ضامن ہے۔ جماعت اسلامی ہند کی جانب سے حلقۂ خواتین اور جی آئی او کے نام سے خواتین اور طالبات کے درمیان دعوتی سرگرمیوں کا آغاز ایک اچھی کوشش ہے تاہم یہ کوشش ابھی بہت معمولی اور ابتدائی مرحلے میں ہے ضرورت ہے کہ ان کو تیز تر اور کثیر الجہات سرگرمیوں میں تبدیل کیا جائے۔

مصباح الباری فلاحی، استاذ جامعۃ الفلاح۔ موبائیل نمبر: 08565954119

دنیا کی پہلی خاتون حضرت حوا تھیں اور پہلے مرد حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ نسلِ انسانی کی ابتدا انہی دونوں سے ہوئی، اس طرح ابتدائے آفرینش سے مرد وعورت دونوں انسانیت کے لازمی حصے اور لاینفک جزو ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو نظر انداز کر کے معاشرے کی تعمیر وتکمیل ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام مرد وعورت دونوں کو مخاطب کرتا ہے۔ اللہ کے سامنے دونوں جوابدہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ معاشرے کی تعمیر میں جتنی ضرورت مردوں کی ہوتی ہے اتنی ہی خواتین کی بھی ہوتی ہے۔

زمانۂ قدیم میں عورتوں کے ساتھ بڑی زیادتیاں روا رکھی جاتی تھیں۔ ظلم وستم کے پہاڑ توڑے

جاتے تھے۔انہیں شیطان اور منحوس جیسے القاب سے نوازا جاتا تھا۔حالانکہ حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ اسی عورت کی کوکھ سے تمام نوع انسانی نے جنم لیا ہے۔اسلام سے پہلے لوگ بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔سماج میں ان کا کوئی مقام نہ تھا۔اسلام نے بچیوں کے مقام ومرتبے کو بلند کیا،عزت دی،حقوق دیئے،اور چند ذمہ داریاں بھی عائد کیں۔اسلام کی نظر میں بچیاں جنت کے حصول کا ذریعہ ہوتی ہیں۔

خواتین نے اپنی حدتک دنیا کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سب سے پہلے جس نے دست تعاون دراز کیا، وہ ایک خاتون ہی تھیں۔یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ۔

اسلام سے قبل حضرت خدیجہ کافی مالدار تھیں۔ ہر طرح کا آرام وسکون تھا۔حلقہ بہ گوشِ اسلام ہونے کے بعد خاندان اور معاشرے کے لوگوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔لیکن آپ کے پائے استقامت میں تزلزل پیدا نہ ہوا۔نہ عزم وحوصلے میں ذرہ برابر کمی واقع ہوئی اور نہ مرتے دم تک انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کبھی ساتھ چھوڑا۔حضرت عمر فاروقؓ بھی اپنی ہمشیرہ کے ذریعے مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔حالانکہ حضرت عمرؓ نے اسلام لانے سے قبل ان کے ساتھ انتہائی جارحانہ رویہ اختیار کیا تھا اور مار مار کر انہیں لہولہان کر دیا تھا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماء کا حال دیکھئے کہ جب والدِ محترم یعنی حضرت ابوبکر ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو نابینا دادا دادی نے پوتی اسماء سے پوچھا کہ ابوبکر نے گھر والوں کے لیے کچھ درہم چھوڑے بھی ہیں یا نہیں؟ حضرت اسماء نے کنکریاں لیں اوران پر کپڑا رکھا اور دادا کا ہاتھ ان پر رکھ کر دکھایا اور کہا کہ یہ وہ مال ہے جو حضرت ابوبکر ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ ضعفِ بصر کے شکار دادا ابو قحافہ نے کہا تب ٹھیک ہے ورنہ تم کیسے گزارا کر پاتیں۔حضرت اسماء کہتی ہیں کہ خدا کی قسم، میں نے دادا کی تسلی کے لیے ایسا کیا تھا تا کہ انہیں کوئی صدمہ نہ لاحق ہو کہ والدِ محترم نے خاندان والوں کے لیے کچھ بھی پیچھے نہیں چھوڑا۔

حضرت عمارؓ بن یاسر کی ماں حضرت سمیہؓ مکہ کے ابتدائی دور میں حلقہ بہ گوشِ اسلام ہوگئی تھیں۔ان پر خوب مصیبتوں کے پہاڑ توڑے گئے۔زندگی اجیرن بنا دی گئی،لیکن ان کا پایۂ استقامت متزلزل نہ ہوا۔اور حق پر قائم رہتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرما کر تاریخِ اسلام کی پہلی شہید کے طور پر اپنا نام درج کرالیا۔

ابوسفیان کی بیٹی ام المومنین ام حبیبہؓ اسلام لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوگئیں۔کافر باپ جب بیٹی سے ملنے آئے تو انہوں نے کراہت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر باپ کو بیٹھنے نہ دیا۔ابوسفیان نے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ آپ مشرک ہیں اور کہیں اس بستر پر نجاست نہ لگ جائے۔حضرت زنیرہؓ اور حضرت بلالؓ کی والدہ حمامہؓ، بنی مؤملؓ، ام عبیسؓ، حواءؓ بنتِ

زید، زینبؓ بنت محمد، ام سلیمؓ بنت ملحان، خنساءؓ اور ام ایمنؓ اور نہ جانے کتنی صحابیات ایسی تھیں جنہوں نے اسلام کی خاطر تکلیفیں برداشت کیں، لیکن ان کے ایمان میں جنبش پیدا نہ ہوئی۔ حتی کہ حضرت عمرؓ جیسا غصہ ور شخص بھی اپنی بہن کو مار پیٹ کر تھک گیا لیکن بہن کو اسلام کی شیریں لذت سے پھیر نہ سکا۔ اور خود عمرؓ کے دل میں ان کے استقلال و پامردی کی بدولت دین حق سما گیا اور وہ کلمہ پڑھ کر اسلامی جماعت میں داخل ہو گئے۔ دورِ تابعین کی بعض مشہور ترین خواتین کے اسماء یہ ہیں: حضرت عائشہ بنت طلحہ، عمرہ بنت عبدالرحمٰن، حفصہ بنت سیرین، ام کلثوم بنت علی، خیرہ ام الحسن البصری، سودہ بنت عمارہ، ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق، سکینہ بنتِ حسین رضی اللہ عنہن جمیعا۔

صحابیات و تابعیات کے علاوہ نویں صدی ہجری تک اگر تاریخ کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ ایک ہزار سے زائد مفسرات ومحدثات وفقیہات اس دوران گزری ہیں۔ تفسیر، فقہ، حدیث میں اپنے اپنے زمانے کی نامور اور مشہور ترین اور بلند پایہ خواتین ملتی ہیں۔ بعد کے ادوار میں امام ذہبیؒ، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ، خطیبؒ بغدادی، امام احمدؒ بن علی صالح بن خلکان، امام تقی الدینؒ فاسی مکی، اور امام سیوطیؒ جیسے نابغۂ روزگار اور علامۃ الدہر اور جید علماء کے اساتذہ میں بہت سی خواتین استانیاں رہی ہیں۔ یہ وہ خواتین تھیں جو درس دیتی تھیں اور لوگوں کو اپنے علم سے فیض یاب کرتی تھیں اور علم و ادب کے قیمتی لعل و گہر بکھیرتی تھیں۔

عقائد و فرائض، نحو، لغت، عروض، حساب، تاریخ وطب میں اپنے زمانے کی ہزاروں لائق مرجع خواتین کا تذکرہ بھی ہمیں تاریخ میں ملتا ہے۔ اپنی ماہرانہ دسترس کی وجہ سے لوگ ان سے مستفید ہوئے۔

عصرِ حاضر میں اخوان المسلمین کی زینب الغزالیؒ اور دکتورۃ عائشہؒ بنت الشاطی کا شمار اس زمانے کی نابغۂ روزگار خواتین میں ہوتا ہے۔

گویا ابتدا ہی سے خواتین نے مردوں کی طرح اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنی جد و جہد اور تگ و دو صرف کی ہے اور اس راہ میں جو رکاوٹیں آئیں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ خواتین نے وقت اور حالات کا رُخ موڑ دیا۔

دراصل یہ ایک غلط فہمی ہے کہ مردوں کے ذمے عورت کا نان نفقہ ہے اور عورت گھر کی دیکھ ریکھ کرنے کے لیے ہی بنائی گئی ہے۔ اس کے برعکس تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ خواتینِ اسلام نے ہر زمانے میں اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کیا ہے اور بہ حسن وخوبی ادا کیا ہے۔ حق کو بلند کرنے، اور باطل کو نیست و نابود کرنے کی جان توڑ کوشش کی اور ہر میدان میں اپنی صلاحیت کا لوہا منوایا، چاہے وہ ہجرت کا میدان ہو یا جنگ کا، سیاست کا میدان ہو یا معیشت کا، دینِ حق کی سربلندی کا ہو یا قربانی کا، اخلاق و عمل کا ہو یا دینِ حق کی اشاعت کا، خطابت کا ہو یا صحافت کا،

طب کا میدان ہو یا سائنس کا، ریاضی والجبرا کا میدان ہو یا نسلِ نو کی تربیت کا، راہِ حق میں شہادت کا میدان ہو یا باطل کا قلع قمع کرنے کا،غرض یہ کہ ہرمیدان میں خواتینِ اسلام نے اپنے جوہر دکھائے ہیں اور دنیا کو یہ باور کرایا کہ دائرۂ شریعت اور حدِ اخلاق میں رہتے ہوئے اسلام کی بیش بہا خدمات وہ انجام دے سکتی ہیں۔

عمل وکردار سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ آج بھی خواتین معاشرے کی تعمیر میں اپنا اہم رول ادا کر سکتی ہیں۔یہی اوصاف آج پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔دراصل اسلام میں داخل ہونے کے بعد عملاً اپنے رب کے سامنے جوابدہی کا احساس پیدا ہونا چاہیے۔مرد وخواتین سب اس معاملے میں یکساں ہیں۔ آج بھی خواتین وہی خدمات انجام دے سکتی ہیں۔اس لیے ان کے لیے ایک لائحۂ عمل کی ضرورت ہے۔ محلے پڑوس میں ہفتہ واری دینی اجتماعات منعقد ہوں جن میں درسِ قرآن اور درسِ حدیث کا سلسلہ شروع ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا اجتماعی مطالعہ ہو۔ ازواجِ مطہرات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں اور صحابیات اور تابعیات کی حیات کا مطالعہ کیا جائے اور انہیں اپنے لیے مشعلِ راہ بنایا جائے۔بچوں کی اصلاح کیسے کی جائے، تربیت کے کیا کیا طریقے اپنائے جائیں، ماں بہن، بیٹی بیوی اور بہو کی گھریلو زندگی کیسی ہو، کن کن برائیوں کو ترک کیا جائے،صوم وصلوۃ کی پابندی کیسے کی جائے۔تلاوتِ قرآن بلا ناغہ ہو،اور اپنی زبان کو اس سے تر رکھا جائے۔کس کے کیا حقوق ہیں ہمارا رہن سہن کیسا ہو۔بات چیت،میل ملاپ اور چال چلن کیسا ہو۔اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کیسے کی جائے،اپنے اندر کی خرابیوں کا کیسے قلع قمع کیا جائے،فحش گوئی، بداخلاقی، چغلی، برائی، دروغ گوئی وکذب بیانی، نامناسب اور بے محل تبصرے بازی سے کیسے نجات پائی جائے۔اولاد کو کیسے اسلام کا شیدائی بنایا جائے۔گھر کی روحانی تسکین کا ذریعہ کیسے بنا جائے۔ماؤں کے قدموں تلے جنت کا مصداق کیسے بنا جائے۔ان تمام چیزوں کے لیے جہدِ مسلسل،لگن،شوق،محنت اور ایثار وقربانی درکار ہے۔اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔

آئندہ شمارے کا خصوصی موضوع

(۱) آئندہ شمارے کے لیے خصوصی کالم کا موضوع ''**آزادی رائے کی اہمیت اور اس کے لیے ماحول سازی میں علماء کا کردار**''متعین کیا گیا ہے۔

(۲) اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اہلِ فکر ونظر اپنے افکار وخیالات اس طرح ارسال کریں کہ **۳۰/اپریل** تک ہمیں لازماً موصول ہوجائیں۔

(۳) کوشش رہے کہ تحریر جامع اور مختصر ہو،اور حیاتِ نو کے ۲/ **صفحات** سے زیادہ طویل نہ ہو۔

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۷)

(مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محی الدین غازی، ہیڈآف ریسرچ دارالشریعہ متحدہ عرب امارات

اس مضمون میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا اہم اور عظیم کام کرنے والوں کی تحسین میں کچھ رقم کیا جائے کہ اتنی عظیم خدمت مختلف شخصیات کے ذریعہ جس قدر ہمت واہتمام سے انجام دی گئی، وہ محتاج بیان وستائش نہیں ہے۔

پیش نظر تحریر میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا کام بہت ضروری مگر نازک عمل ہے، اس میں غلطی کے امکانات کو کم سے کم کرتے رہنے کی مسلسل کوشش ضروری ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، تاہم اس کلام کا ترجمہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے، جس میں غلطیوں کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے، اسی لئے جو ترجمہ جتنا زیادہ مشہور ومتداول ہے اس کا بار بار گہرائی اور باریک بینی سے جائزہ لیتے رہنا بھی اسی قدر زیادہ ضروری ہے۔ اس جائزہ میں نہ کسی طرح کا احترام مانع ہونا چاہئے اور نہ کوئی نسبت حائل ہونی چاہئے، راقم کی رائے میں ہونا تو یہ چاہئے کہ ترجمہ قرآن کا کام اجتماعی طور پر اکیڈمی کی سطح پر اور متعدد بار متعدد ماہرین لغت کی نظر سے گذرنے کے بعد قابل اشاعت سمجھا جائے، اور اشاعت کے بعد بھی نظر ثانی کا کام جاری رہے۔ لیکن بوجوہ تراجم قرآن کے ساتھ ایسا اہتمام نہیں ہوسکا۔ عام طور سے ہر ترجمہ قرآن ایک انفرادی کوشش رہی ہے، اور اس لئے غلطیوں کا امکان کسی نہ کسی حد تک ہر ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔

----

(۱) لفظ أمثال کے قرآنی استعمالات

لفظ اُمثال قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے اور مختلف معنوں میں آیا ہے، سیاق وسباق سے یہ طے ہوتا

ہے کہ کس جگہ کیا مفہوم مراد ہے، جیسے:

اَمثال جب مَثَل کی جمع ہوتا ہے تو مثالوں کے معنی میں آتا ہے جیسے:

كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ۔ (محمد:۳)

''اس طرح اللہ لوگوں کے لئے ان کی مثالیں بیان کر رہا ہے''۔(امین احسن اصلاحی)

''اسی طرح خدا لوگوں سے ان کے حالات بیان فرماتا ہے''۔(فتح محمد جالندھری)

اَمثال جب مِثل کی جمع ہوتا ہے تو ''اسی طرح'' کے معنی میں آتا ہے، جیسے:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ۔ (الاعراف:۱۹۴)

''جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے بندے ہی ہیں''۔(فتح محمد جالندھری)

اسی طرح مذکورہ ذیل آیت میں بھی اَمثال کا یہی مفہوم لینا درست ہے:

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا۔ (محمد:۱۰)

''کیا انہوں نے ملک میں سیر نہیں کی تا کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا؟ خدا نے ان پر تباہی ڈال دی۔ اور اسی طرح کا (عذاب) ان کافروں کو ہوگا''(فتح محمد جالندھری)

صاحب تدبر نے یہاں مثالوں کا ترجمہ کیا جو درست نہیں ہے۔

''کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ کیا انجام ہو چکا ہے ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں، اللہ نے ان کو پامال کر چھوڑا اور ان کافروں کے سامنے بھی انہی کی مثالیں آنی ہیں''۔(امین احسن اصلاحی)

لفظ کی رعایت سے بالکل صحیح ترجمہ یہ ہے: اور کافروں کے لئے اسی طرح کا انجام ہے''۔(امانت اللہ اصلاحی)

(۲) قوموں کو بدلنا یا انسانوں کی شکل وصورت کو بدلنا

نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ۔(الانسان:۲۸)

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ۔ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ (الواقعۃ:۶۰۔۶۱)

كَلَّا إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّمَّا يَعْلَمُونَ۔ فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ۔ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ۔ (المعارج:۳۹۔۴۱)

مذکورہ بالا تین آیتوں میں عام طور سے مترجمین نے جو ترجمہ کیا ہے، اس سے یہ مفہوم سامنے آتا

ہے کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ انسانوں کے موجودہ گروہ کی جگہ دوسرے انسانوں کو لے آئے۔

جو بات ان مترجمین ومفسرین نے اختیار کی ہے وہ اپنے آپ میں صد فی صد درست ہے، اور قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر بہت واضح لفظوں میں بیان کی گئی ہے، جیسے:

وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ۔ (محمد:٣٨)

البتہ مذکورہ تینوں آیتوں میں مولانا امانت اللہ اصلاحی کا خیال ہے کہ گفتگو ایک گروہ کو ہٹا کر دوسرے گروہ کو لانے کی نہیں ہورہی ہے، بلکہ انسانوں کی تخلیق کی ہورہی ہے، اور موقعہ کا تقاضا اللہ کی اس قدرت کو بتانا ہے کہ انسانوں کی جس طرح کی تخلیق اللہ نے کی ہے، اس سے مختلف تخلیق پر بھی اللہ قادر ہے۔ تینوں آیتوں کے سیاق پر محض سرسری نظر ڈالنے سے بھی بآسانی واضح ہوجاتا ہے کہ تینوں آیتوں میں بدل دینے کے ذکر سے اللہ کی کس قدرت کا بیان ہے۔

ان تینوں آیتوں کا ترجمہ عام طور سے کس طرح کیا گیا ہے اور کس طرح ہونا چاہئے، ذیل کی تفصیل سے سمجھا جاسکتا ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلاً ۔ (الانسان:٢٨)

'' ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کے جوڑ بند مضبوط کیے اور ہم جب چاہیں ان جیسے اور بدل دیں''۔(احمد رضا خان)

'' ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اوران کے جوڑ بند مضبوط کئے، اور جب ہم چاہیں گے ٹھیک ٹھیک انہی کے مانند بدل دیں گے''۔(امین احسن اصلاحی)

'' ہم نے ان کو پیدا کیا اوران کے مقابل کو مضبوط بنایا۔ اوراگر ہم چاہیں تو ان کے بدلے ان ہی کی طرح اورلوگ لے آئیں''(فتح محمد جالندھری)

'' ہم ہی نے ان کو پیدا کیا ہیاور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے اور (نیز) جب ہم چاہیں انہی جیسے لوگ ان کی جگہ بدل دیں''۔(اشرف علی تھانوی)

جبکہ سیاق وسباق اور خود اس جملے کے الفاظ کے لحاظ سے درست ترجمہ یہ ہے:

'' ہم نے ہی اِن کو پیدا کیا ہے اوران کے جوڑ بند مضبوط کیے ہیں، اور ہم جب چاہیں اِن کی شکلوں کو بدل کر رکھ دیں''۔(سید مودودی)

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ۔ عَلَى أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ (الواقعۃ:٦٠۔٦١)

'' ہم نے تم میں مرنا ٹھہرادیا ہے اور ہم اس (بات) سے عاجز نہیں کہ تمہاری طرح کے اورلوگ

تمہاری جگہ لے آئیں اور تم کو ایسے جہان میں جس کو تم نہیں جانتے پیدا کردیں''۔(فتح محمد جالندھری)

'' ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کی ہے اور ہم عاجز رہنے والے نہیں ہیں۔(بلکہ قادر ہیں)اس بات پر کہ ہم تمہاری جگہ تمہارے مانند بنادیں، اور تم کو اٹھائیں اس عالم میں جس کو تم نہیں جانتے''۔(امین احسن اصلاحی)

درست ترجمہ یہ ہے:

'' ہم نے تمہارے درمیان موت کو تقسیم کیا ہے، اور ہم اِس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری شکلیں بدل دیں اور کسی ایسی شکل میں تمہیں پیدا کردیں جس کو تم نہیں جانتے''۔(سید مودودی)

'' ہم نے تمہارے درمیان موت کا نظام رکھا ہے، اور ہم اِس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری شکل وصورت بدل دیں اور تم کو نشوونما دیں ایسی حالت میں جسے تم نہیں جانتے''۔(امانت اللہ اصلاحی)

كَلَّا إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّمَّا يَعْلَمُونَ۔ فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ۔ عَلَى أَن نُّبَدِّلَ خَيْراً مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ۔ (المعارج:۳۹۔۴۱)

'' ہرگز نہیں ہم نے جس چیز سے اِن کو پیدا کیا ہے اُسے یہ خود جانتے ہیں۔پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی، ہم اِس پر قادر ہیں کہ اِن کی جگہ اِن سے بہتر لوگ لے آئیں اور کوئی ہم سے بازی لے جانے والا نہیں ہے''۔(سید مودودی)

درست ترجمہ یہ ہے:

اور ہم پوری قدرت رکھتے ہیں اور ہمارے بس سے باہر نہیں کہ ان کی موجودہ صورت کو اس سے بہتر شکل دے دیں''۔(محمد امانت اللہ اصلاحی)

(۳) **فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔(الرحمن:۱۳)**

یہ آیت سورہ رحمان میں اکتیس مرتبہ آئی ہے، عام طور سے مترجمین نے اس آیت میں أَيّ کا ترجمہ کس کس یا کن کن یا کون کون سی کیا ہے، تدبر قرآن میں امین احسن اصلاحی کے ترجمہ میں بھی زیادہ تر یہی ترجمہ ہے، البتہ کچھ آیتوں میں کن کن کے بجائے کتنی یا کتنے ترجمہ کیا ہے جیسے:

'' تم اپنے رب کی کتنی رحمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔(۹۴)

'' تو تم اپنے رب کی کتنی نعمتوں کی تکذیب کروگے''۔(۵۵)

'' تو تم اپنے رب کی کتنی نوازشوں کو جھٹلاؤ گے''۔(۷۵)

الغرض اکتیس میں سے دس مقامات ایسے ہیں جہاں کن کن کے بجائے کتنی یا کتنے ترجمہ کیا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ ایسا عجلت میں ہو گیا ہے۔

(۴) سبق کا ایک خاص مفہوم

لفظ سبق کا ایک معنی کسی سے آگے نکل جانا ہوتا ہے اور اس کی قرآن مجید میں نظیریں بھی ہیں، جیسے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَان۔ (الحشر:۱۰)

''اے ہمارے رب، ہمیں اور ہمارے اُن سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں''۔ (سید مودودی)

''اے ہمارے رب ہم کو بھی بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش جنھوں نے ایمان لانے میں ہم پر سبقت کی''۔ (امین احسن اصلاحی)

تاہم اسی لفظ کا ایک اور معنی ہے، اور وہ ہے کسی کی پہونچ اور قابو سے باہر نکل جانا۔ اور اس کی بھی قرآن مجید میں نظیریں ہیں۔

وَلاَ يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ سَبَقُواْ إِنَّهُمْ لاَ يُعْجِزُوْنَ۔ (الانفال:۵۹)

''اور کافر یہ گمان نہ کریں کہ وہ نکل بھاگیں گے، وہ ہمارے قابو سے باہر نہیں جاسکیں گے''۔ (امین احسن اصلاحی)

اس ترجمہ میں ایک خامی یہ رہ گئی کہ فعل ماضی ہے اور بنا کسی سبب یا قرینے کے ترجمہ مستقبل کا کردیا ہے، درست ترجمہ یوں ہے:

''اور کافر یہ گمان نہ کریں کہ وہ اللہ کی پہونچ سے باہر نکل گئے، وہ ہمارے قابو سے باہر نہیں جاسکیں گے''۔ (امانت اللہ اصلاحی)

بعض لوگوں نے یہاں بھی بازی لے جانے کا ترجمہ کیا ہے، جیسے:

''منکرینِ حق اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ وہ بازی لے گئے، یقیناً وہ ہم کو ہرا نہیں سکتے''۔ (سید مودودی)

یہ ترجمہ درست نہیں ہے، کیونکہ یہاں کوئی دوڑ کا مقابلہ موضوع گفتگو نہیں ہے جس میں کوئی بازی لے جائے، بلکہ اللہ کی پہونچ سے باہر نکلنے کی بات ہو رہی ہے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ أَن يَسْبِقُوْنَا سَاء مَا يَحْكُمُوْن۔ (العنکبوت:۴)

''کیا جو لوگ برائیوں کا ارتکاب کررہے ہیں وہ گمان رکھتے ہیں کہ ہمارے قابو سے باہر نکل جائیں گے''۔ (امین احسن اصلاحی)

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَلَقَدْ جَاءهُم مُّوْسَى بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِيْ الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِيْنَ ۔ (العنکبوت:۳۹)

''اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی ہم نے ہلاک کر دیا، اور موسی ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے ملک میں گھمنڈ کیا اور وہ ہمارے قابو سے باہر نکل جانے والے نہ بن سکے''۔(امین احسن اصلاحی)

اس آیت میں بھی بعض لوگوں نے آگے بڑھ جانے اور سبقت لے جانے کا ترجمہ کیا ہے جو درست نہیں ہے۔

''اور قارون وفرعون وہامان کو ہم نے ہلاک کیا موسیٰ اُن کے پاس بیّنات لے کر آیا مگر انہوں نے زمین میں اپنی بڑائی کا زعم کیا حالانکہ وہ سبقت لے جانے والے نہ تھے''۔(سید مودودی)

''اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی، ان کے پاس حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کھلے کھلے معجزے لے کر آئے تھے پھر بھی انہوں نے زمین میں تکبر کیا لیکن ہم سے آگے بڑھنے والے نہ ہو سکے''۔(محمد جونا گڑھی)

(۵) وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ کا ترجمہ

اس سلسلے میں ایک آیت پر خصوصی گفتگو کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اور وہ سورہ یٰسین کی مندرجہ ذیل آیت ہے:

لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ۔[یٰسین:۴۰]

''نہ سورج کی مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت کر سکتی ہے، ہر ایک اپنے خاص دائرے میں گردش کرتا ہے''۔(امین احسن اصلاحی)

''نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں''۔(سید مودودی)

''سورج کو نہیں پہنچتا کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جائے اور ہر ایک، ایک گھیرے میں پیر رہا ہے''۔(احمد رضا خان)

''نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے۔ اور سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں''۔(فتح محمد جالندھری)

''نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے، اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں''۔(محمد جونا گڑھی)

مذکورہ بالا تمام ترجموں کی رو سے آیت میں رات کے دن پر سبقت کرنے، دن سے پہلے آنے اور

دن پر آگے بڑھ جانے کی بات کہی گئی ہے، اور اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ دن کے لئے مقرر وقت ختم ہونے سے پہلے رات نہیں آسکتی۔ اس پر اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ کسی کے آنے سے پہلے کسی دوسرے کے آجانے کے لئے تو سبق کا استعمال درست ہے لیکن کسی کے جانے سے پہلے کسی دوسرے کے آجانے کے لئے لفظ سبق کا استعمال محل نظر ہے۔

مولانا امانت اللہ اصلاحی نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''نہ سورج کی مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن کی پہونچ سے باہر ہوسکتی ہے، ہر ایک اپنے خاص دائرے میں گردش کرتا ہے''۔ گویا یہ نہیں ہوسکتا کہ دن کی پہونچ سے رات اس طرح باہر ہوجائے کہ پھر آئے ہی نہیں، بلکہ ہر دن کے بعد رات کا آنا ضروری ہے۔ اس ترجمہ سے معنی کا یہ حسن سامنے آتا ہے، کہ ایک طرف تو سورج اور چاند کی گردش ہے کہ سورج چاند کو گرفتار نہیں کرسکتا، دوسری طرف رات اس طرح دن کی گرفت میں ہے کہ اس کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکتی، روز دن اس کو جالیتا ہے۔ چاند کبھی سورج کی گرفت میں نہیں آسکتا یہ بھی اللہ کی قدرت کا شاہکار ہے، اور رات کبھی دن کی پہونچ سے باہر نہیں نکل سکتی یہ بھی اللہ کی قدرت کا کمال ہے۔

دن رات کا تعاقب کرکے اس کو جالیتا ہے، اس کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے، سورہ اعراف میں اللہ تعالی فرماتا ہے:

يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا ۔ (الاعراف:۵۴)

آیت کے اس حصے کے مختلف ترجمے کئے گئے ہیں:

''جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے''۔ (سید مودودی)

''رات دن کو ایک دوسرے سے ڈھانکتا ہے کہ جلد اس کے پیچھے لگا آتا ہے''۔ (احمد رضا خان)

''وہی رات سے دن کو ڈھانک دیتا ہے (درآنحالیکہ دن رات میں سے) ہر ایک دوسرے کے تعاقب میں تیزی سے لگا رہتا ہے''۔ (طاہر القادری)

''وہ شب سے دن کو ایسے طور پر چھپا دیتا ہے کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے''۔ (محمد جوناگڑھی)

''ڈھانکتا ہے رات کو دن پر جو اس کا پوری سرگرمی سے تعاقب کرتی ہے''۔ (امین احسن اصلاحی)

''اڑھاتا ہے رات پر دن کہ وہ اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا''۔ (شیخ الہند محمود الحسن)

ان ترجموں کا جائزہ لینے کے لئے دو باتوں کو پیش نظر رکھنا مناسب ہے، پہلی بات یہ کہ چونکہ لیل پہلے آیا ہے اور نہار بعد میں آیا ہے اس لئے لفظوں کی ترتیب کے لحاظ سے رات کو دن پر ڈھانکنا یا اڑھانا

زیادہ مناسب ہے۔ ترتیب کے قرینے کے علاوہ دوسرے مقامات پر اس بات کی صراحت بھی ہے کہ غشی یعنی ڈھانکنے کا عمل رات انجام دیتی ہے، جیسے وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى (اللیل:۱) اور وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا (الشمس:۴) اس لئے رات پر دن اڑھانا، یا دونوں کو ایک دوسرے پر ڈھانکنا، کمزور ترجمہ ہے۔

دوسری بات یہ کہ قرآن کی رو سے رات کا رول بھاگنے کا ہے نہ کہ پیچھا کرنے کا، وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ (المدثر:۳۳) اس پہلو سے تعاقب کر کے پیچھا کرنے کا کام دن کے لئے زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ترجمے زیادہ موزوں ہیں جن میں يَطْلُبُهُ حَثِيثًا کا فاعل نہار کو بنایا گیا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ پہلے دن رات کا تعاقب کرتا ہے، اور اس کے بعد رات کو دن پر ڈھانک دیا جاتا ہے، نہ کہ جیسا سید مودودی کے ترجمے میں ہے کہ ڈھانکنے کے بعد دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آئے۔

مولانا امانت اللہ اصلاحی اس جملے کا ترجمہ یوں کرتے ہیں؛

''ڈھانکتا ہے رات سے دن کو جو اس کا پوری سرگرمی سے تعاقب کرتا ہے''۔

سورہ یٰسین اور سورہ اعراف کی دونوں آیتوں کو سامنے رکھا جائے تو مطلب یہ بنتا ہے کہ رات پیٹھ پھیر کر بھاگتی ہے، دن اس کا پیچھا کرتا ہے، تعاقب کرنے کے بعد جب دن رات کو جالیتا ہے تو اللہ رات سے دن کو ڈھانک دیتا ہے۔ صبح رات پھر راہ فرار اختیار کرتی ہے اور پھر دن رات کو جالیتا ہے، اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے، رات کبھی دن کی پہونچ سے باہر نہیں نکل پاتی۔

(۶) لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ کا ترجمہ

کسی متعین وقت کے سیاق میں جب بات ہورہی ہو تو لفظ استئخار کا مطلب ہوتا ہے، کسی کام کا متعین وقت پر انجام نہ پانا بلکہ تاخیر ہو جانا، جبکہ لفظ استقدام یا لفظ سبق کا مطلب ہوتا ہے کسی کام کا اس متعین وقت سے پہلے ہی انجام پا جانا۔

جہاں تک اردو زبان کا معاملہ ہے، کسی کام کا وقت متعین ہو، تو اگر اس وقت سے پہلے وہ کام انجام دے دیا جائے تو اسے وقت سے آگے بڑھ جانا کہتے ہیں، اور اگر وہ کام انجام دینے میں تاخیر ہو جائے تو اسے وقت سے پیچھے رہ جانا کہتے ہیں۔

یہ مضمون کہ اس دنیا میں لوگوں کی زندگی کا ایک متعین وقت ہے، اور کوئی اس متعین وقت سے نہ تو پہلے اس دنیا سے جا سکتا ہے، اور نہ متعین وقت کے بعد یہاں رہ سکتا ہے، قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ذکر ہوا ہے، جیسے:

مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُون۔ (المؤمنون:۴۳)

''کوئی جماعت اپنے وقت سے نہ آگے جا سکتی ہے نہ پیچھے رہ سکتی ہے''۔ (فتح محمد جالندھری)

''نہ کوئی قوم اپنی اجل معین سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ وہ اس سے پیچھے رہ سکتی ہے''۔(امانت اللہ اصلاحی)

''کوئی قوم نہ اپنے وقت سے پہلے ختم ہوئی اور نہ اس کے بعد ٹھیر سکی۔(سید مودودی،اس ترجمہ کی غلطی یہ ہے کہ بنا کسی سبب یا قرینہ کے فعل مضارع کا ترجمہ زمانہ ماضی سے کر دیا ہے، اسے حال یا مستقبل ہونا چاہئے۔)

اسی سے ملتے جلتے مضمون کی تین آیتیں قرآن مجید میں ایک خاص اسلوب میں آئی ہیں اور ان کے جو ترجمے کئے گئے ہیں وہ توجہ طلب ہیں۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاء أَجَلُهُمْ لاَ يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلاَ يَسْتَقْدِمُونَ۔ (الاعراف:۳۴)

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاء أَجَلُهُمْ فَلاَ يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلاَ يَسْتَقْدِمُونَ۔(یونس:۴۹)

فَإِذَا جَاء أَجَلُهُمْ لاَ يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلاَ يَسْتَقْدِمُونَ۔(النحل:۶۱)

ان آیتوں کے ترجمہ سے پہلے ایک بات واضح ہونا ضروری ہے کہ جب سفر کا متعین وقت آ جاتا ہے تو اس سے پیچھے ہٹنے کا امکان تو تصور کیا جا سکتا ہے، لیکن اس سے آگے بڑھنے کا امکان ہی ناقابل تصور ہے۔ آگے بڑھنے کا امکان اسی وقت تک متصور ہے جب تک وقت متعین نہ آیا ہو، جب وقت متعین آ گیا تو پھر تاخیر تو متصور ہوتی ہے تقدیم متصور نہیں ہوتی ہے۔

اس کے پیش نظر مولانا امانت اللہ اصلاحی نے ایک اہم نکتہ کی نشان دہی فرمائی، وہ یہ کہ إِذَا جَاء أَجَلُهُمْ کا جواب صرف لاَ يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ہے، جبکہ وَلاَ يَسْتَقْدِمُونَ جواب پر معطوف ہو کر جواب کا حصہ نہیں ہے، بلکہ اس پورے جملے کا تتمہ ہے۔ مطلب یہ کہ آیت میں دو باتیں کہی گئی ہیں، ایک تو یہ کہ اجل کے آنے کے بعد تاخیر نہیں ہو سکتی، دوسرے یہ کہ اجل کے آنے سے پہلے تقدیم بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ گویا اجل کے آنے سے تاخیر کا تو تعلق ہے، لیکن تقدیم کا تعلق اجل کے آنے سے نہیں ہے۔

اس وضاحت کی روشنی میں ہم الگ الگ تینوں آیتوں کے ترجموں کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاء أَجَلُهُمْ لاَ يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلاَ يَسْتَقْدِمُونَ۔ (الاعراف:۳۴)

''اور ہر امت کے لئے ایک مقررہ مدت ہے، تو جب ان کی مدت پوری ہو جائے گی تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے بڑھ سکیں گے''۔(امین احسن اصلاحی)

''اور ہر گروہ کے لئے ایک میعاد معین ہے سو جس وقت ان کی میعاد معین آ جائے گی اس وقت ایک

ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے''۔(محمد جوناگڑھی)

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاء أَجَلُهُمْ فَلاَ يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلاَ يَسْتَقْدِمُونَ۔(یونس:۴۹)

''ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جب ان کا وقت آجاتا ہے تو پھر نہ ایک گھڑی پیچھے ہوتے نہ آگے''۔(امین احسن اصلاحی)

''ہر امّت کے لیے مہلت کی ایک مدّت ہے، جب یہ مدّت پوری ہو جاتی ہے تو گھڑی بھر کی تقدیم وتاخیر بھی نہیں ہوتی''۔(سید مودودی)

''ہر امت کے لیے ایک معین وقت ہے جب ان کا وہ معین وقت آپہنچتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں''۔(محمد جوناگڑھی)

مذکورہ بالا ترجموں کے مقابلے میں فتح محمد جالندھری کا ذیل کا ترجمہ صحیح ہے۔

''ہر ایک امت کے لیے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی بھی دیر نہیں کر سکتے اور نہ جلدی کر سکتے ہیں''۔(فتح محمد جالندھری)

فَإِذَا جَاء أَجَلُهُمْ لاَ يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلاَ يَسْتَقْدِمُونَ۔(النحل:۶۱)

''تو جب ان کا وقت معین آجائے گا تو اس سے نہ وہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے''۔(امین احسن اصلاحی)

''جب وہ وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں''۔(فتح محمد جالندھری)

''جب ان کا وہ وقت آجاتا ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں''۔(محمد جوناگڑھی)

مولانا امانت اللہ اصلاحی نے مذکورہ تینوں آیتوں کے ترجموں کی غلطی کو دور کرتے ہوئے اس طرح ترجمہ کیا ہے:

''جب ان کا وقت آجاتا ہے تو اس کے بعد ایک گھڑی پیچھے نہیں ہو سکتے اور نہ پہلے جا سکتے ہیں''۔

نبی اکرمؐ کی تعلیمی تحریک

سعید اختر اعظمی، معلم دارۃ السلام انٹرنیشنل دہلی پبلک اسکول، ریاض، سعودی عرب

علم روشنی ہے اور جہالت اندھیرا۔علم انسان کو اس کے مقصدِ زندگی سے آگاہ کرتا ہے۔علم کی بنیاد پر ہی قوموں نے عروج وارتقاء کی منزلیں پائی ہیں۔علم کائنات کے اسرار و رموز پر غور کرنے اور تحقیق و جستجو کا نام ہے۔عام طور سے علم کی دینی اور دنیوی تقسیم کے نتیجے میں اس کا محدود تصور پایا جاتا ہے، جبکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے علم میں دنیوی کے ساتھ دینی علوم بھی شامل ہیں۔علم کو قدیم و جدید کے خانے میں تقسیم کرنے والے کم فہمی کا ثبوت دیتے ہیں۔یہ علم کی خصوصیت نہیں تو اور کیا ہے کہ قرآن حکیم میں علم کا تذکرہ ساڑھے چھ سو بار ہوا ہے، اور حضور اکرمؐ پہ اترنے والی اولین وحی بھی علم ہی سے متعلق ہے۔

حضور اکرمؐ نے حصولِ علم پہ ابھارنے کے لیے جو تعبیریں اختیار کی ہیں، وہ بھی نرالی ہیں، فرمایا: ’’علم حاصل کرنا ہر مرد و زن پہ فرض ہے‘‘۔حضور اکرمؐ کے اس قول میں بظاہر ایک عام فہم بات بتائی گئی ہے، لیکن بغور دیکھنے پر اس کی تہہ میں تین نکتے نظر آتے ہیں: پہلا یہ کہ انسان کے لیے اس فرض کی ادائیگی لازمی ہے خواہ اس کے لیے کتنی ہی مشکلات کیوں نہ اٹھانی پڑیں۔دوسرا یہ وہ ذمہ داری ہے جو انسان اپنے رب کے حکم سے ادا کرتا ہے لہٰذا اس میں پورے طور پر ایمانداری اور خلوص ہونا چاہیے۔ تیسرا اس کے ذریعہ بندہ خدا کا تقرب حاصل کرتا ہے۔حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:’’ آدمی اپنی موت کے بعد تین چیزیں اس دنیا میں چھوڑ جاتا ہے: نیک اولاد جو اس کے لیے دعائے خیر کرتی ہے، صدقہ جاریہ جس کا اجرا سے پہنچتا ہے، وہ علم جس پر اس کے بعد بھی عمل ہوتا رہتا ہے۔ایک اور جگہ ارشاد نبوی ہے:’’جو شخص علم کی طلب میں نکلا، اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا‘‘۔

ان احادیث کی روشنی میں حضور کی تعلیمی تحریک کا مکمل خاکہ سامنے آجاتا ہے۔علم ہی وہ چیز ہے جو امت مسلمہ کو دیگر قوموں سے ممتاز کرتی ہے۔مسلمان کسی بھی میدان میں رہتے ہوئے علم کی بقا کے ساتھ

عقیدے کے استحکام کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ اس کا علم ہمیشہ عبادت کی حیثیت سے اس کے ہمراہ ہوتا ہے، اسے وہ کبھی ایذا رسانی کے لیے استعمال نہیں کر سکتا۔ یہ اسلامی تاریخ کا کتنا روشن باب ہے کہ مسلمانوں نے اپنا علم کسی گھٹیا مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا۔ قرون وسطی میں تحریف شدہ انجیل کے حوالے اس قوم کی گمرہی اور خود ساختہ اصولوں کی نقاب کشائی کے ساتھ ان کی کم علمی کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور اکرم نے فرمایا تھا: ''مجھے خوف ہے کہ اگلے چلے جائیں اور پچھلے علم نہ حاصل کریں۔ اگر عالم مزید علم حاصل کریں گے تو ان کا علم بڑھ جائے گا اور خود علم میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی۔ اگر جاہل علم طلب کریں گے تو علم کو اپنے لیے ہموار پائیں گے، یہ کیا ہے کہ میں تمھیں علم سے خالی اور کھانوں سے لبریز دیکھتا ہوں''۔

یہ حضور کی تعلیمی تحریک کا ہی نتیجہ تھا کہ مسجد نبوی کا چبوترہ تشنگان علم کی پناہ گاہ تھا اور یہاں پہ رہ کر علم حاصل کرنے والے اصحاب صفہ کے اعزاز سے نوازے گئے۔ علم کی روشنی نے گمرہوں اور کج کلاہوں کو ہدایت بخشی۔ یہ علم ہی کا فیضان تھا کہ ہر کسی نے اسے دامن دل میں جگہ دی۔ بنوامیہ کے خلیفہ عبدالملک نے اپنے لخت جگر کو ان الفاظ میں نصیحت کی: ''علم حاصل کرو کیونکہ مالدار ہو گے تو علم تمہارا جمال ہوگا اور غریب ہو گے تو علم تمہارے لیے دولت ثابت ہوگا''۔ ابن المقفع اسی بات کو دوسرے انداز سے کہتے ہیں: ''علم حاصل کرو بادشاہ ہوئے تو اور اونچے ہو جاؤ گے اور اگر عام آدمی ہوئے تو زندہ رہ سکو گے''۔ حسن البناء شہیدؒ نے حصول علم کو جہاد سے تعبیر کیا ہے اور اس کی راہ میں ہر قربانی کو روا رکھا ہے۔

حضور اکرمؐ نے تعلیمی تحریک کے تئیں اس قدر ترغیب نہ دی ہوتی اور اسے افضل نہ گردانا ہوتا تو شاید مسلمان اتنے طویل عرصے تک دنیا پر حکمراں نہ ہوتے۔ حضور اکرم کا ارشاد اس سلسلے میں امتیازی اہمیت رکھتا ہے۔ جو ہدایت اور علم مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اس کی مثال زوردار بارش کی سی ہے کہ وہ کسی زمین پر جا برسی۔ بارش کا ایک ایک قطرہ پیاسی دھرتی کے لیے کسی نعمت عظمی سے کم نہیں ہوتا۔ اس کے نتیجے میں زمین کی کوکھ سے سبزوں کا نمو ہوتا ہے۔ گل بوٹے اپنی شادابی دکھلاتے ہیں اور ویران علاقہ گل گلزار بن جاتا ہے۔ علم جس دل میں اپنی جگہ بنالیتا ہے وہاں بھی ایسا ہی منظر دکھائی دیتا ہے۔

علم کی کوئی منزل اور منتہا نہیں، لیکن عمر کی سرحدیں اس میں حائل ضرور ہیں۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ سردار بننے سے پہلے علم حاصل کرو، علم سردار یا امیر ہونے کی صورت میں بہترین رہنمائی کرتا ہے۔ صرف اسی پر بس نہیں، بلکہ وہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں عمل دخل رکھتا ہے۔ کیف نے اس حوالے سے خوب کہا ہے ؎

علم پہ ساری دولتیں قرباں   علم ہے سارے کائنات کی جاں
علم حاصل کرو جہاں سے ملے   وہ زمیں سے کہ آسماں سے ملے

علامہ شبلی نعمانی: ایک آفاقی شخصیت

(علامہ شبلی صدی تقریبات کی مناسبت سے لکھی گئی تحریر)

ڈاکٹر محمد افضل فلاحی، بلریا گنج، رکن مجلس شوریٰ جامعۃ الفلاح

اس عالم رنگ وبو میں ہرروز لاکھوں لوگ پیدا ہوتے ہیں، وفات پاتے ہیں اور ماضی کی تاریکیوں میں ہمیشہ کے لیے گم ہوجاتے ہیں۔مگر انہیں میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جنھیں وقت وحالات کی تیز وتند آندھیاں قصہ پارینہ نہیں بناپاتیں، کیونکہ وہ اپنی انفرادیت کے سبب انسانی ذہن ودماغ میں اس طرح سے رچ بس جاتے ہیں کہ ان کی اثرانگیزی صدیوں تک اپنا جلوہ دکھاتی رہتی ہے۔ ایسی ہی ایک آفاقی شخصیت علامہ شبلی نعمانیؒ کی تھی۔شبلیؒ کی حیثیت ایک فرد کی نہیں، وہ ایک عظیم شخصیت تھے، ان کی شخصیت میں کئی پہلوؤں سے انفرادیت پائی جاتی تھی، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن یا ایک شخص ایک کارواں کے مانند تھے۔آپ کو خدائے بزرگ وبرتر نے عبقری صلاحیتوں سے نوازا تھا۔آپ بیک وقت اعلیٰ درجے کے مفکر، محدث، فقیہ، سیرت نگار، محقق، مورخ، ادیب، نقاد، اور شاعر تھے،آپ نے علم وفکر کے جس شعبے میں بھی قدم رکھا اسے بلندی عطا کی۔

علامہ شبلی نعمانیؒ مشرقی اتر پردیش کے ایک انتہائی مردم خیز ضلع اعظم گڑھ کے موضع بندول میں ۳رجون ۱۸۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ والد محترم کا نام شیخ حبیب اللہ اور والدہ محترمہ کا نام ماجدہ خانم تھا۔ رواج کے مطابق حصول علم کے لیے مختلف اساتذۂ کرام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ابتدائی تعلیم حکیم عبداللہ اور مولوی شکراللہ سے حاصل کی۔ بعدازاں مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور گئے جہاں مولانا فاروق چیریاکوٹی سے استفادہ کیا۔۱۸۷۳ء میں آپ کے والد محترم اور بعض معززین نے شہر اعظم گڑھ میں ایک مدرسہ کی داغ بیل ڈالی۔اس کے صدر مدرس مولانا فاروق چریاکوٹی مقرر ہوئے۔اس مدرسہ میں علامہ شبلیؒ نے مولانا کی زیرنگرانی عربی تعلیم حاصل کی۔ بعدہ مولوی عبدالحق خیرآبادی سے معقولات کا درس

لیا۔۱۸۷۴ء میں رام پور کا سفر کیا۔ مولانا ارشاد حسین رام پوری سے فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد لاہور گئے اور وہاں عربی ادب کے زبردست عالم مولانا فیض الحسن سہانپوری کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا۔ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ۱۸۷۶ء میں سہارنپور گئے جہاں مولانا احمد علی محدثؒ سے استفادہ کا موقع ملا۔ غرضیکہ مولانا نے حصول علم کے لیے خوب اسفار کئے اور مختلف شرعی علوم میں مہارت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

۱۸۷۸ء میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے رخت سفر باندھا۔ واپسی کے بعد اعظم گڑھ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ علامہ حمید الدین فراہیؒ، علامہ اقبال سہیل، مولوی سمیع اور مولوی محمد عمر اس دور کے آپ کے اہم شاگرد رہے۔

۱۸۸۰ء میں مولانا نے وکالت کی ڈگری حاصل کی۔ کچھ دنوں اس پیشہ سے وابستہ بھی رہے، مگر طبیعت کا رجحان اس طرف زیادہ نہ تھا۔ بہت جلد وکالت چھوڑ دی اور کسب معاش کی غرض سے علی گڑھ کا رخ کیا۔

فروری ۱۸۸۳ء کو محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں آپ کا بحیثیت پروفیسر تقرر ہوا۔ سر سید علیہ الرحمۃ نے آپ کے علمی جوہر کو بہت جلد پہچان لیا اور آپ کی صلاحیتوں سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کا فیصلہ کیا۔ سر سید علیہ الرحمۃ کی صحبت اور علی گڑھ تحریک کی وجہ سے شبلیؒ کے فکر وعمل میں بھی وسعت آئی۔ ملی ودینی خدمت کا جوش مزید ابھرا اور قومی جذبہ سے بھی سرشار ہوئے۔

علی گڑھ قیام کے دوران آپ کی ملاقات پروفیسر آرنلڈ سے ہوئی، اور بہت جلد یہ ملاقات گہری دوستی میں تبدیل ہوگئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کے علم وفضل سے بہت فائدہ اٹھایا۔ پروفیسر آرنلڈ نے آپ کو مغربی فلسفہ وحکمت سے روشناس کرایا۔ فرانسیسی زبان سے واقفیت حاصل کی۔ ان کی رفاقت میں انگریزی ادب کی طرف رجحان میں اضافہ ہوا، اور پھر آپ نے مغربی افکار کا بھی خوب خوب مطالعہ کیا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ مسلمانوں کی تعلیمی صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے ۲۶/اپریل ۱۸۹۲ء کو پروفیسر آرنلڈ کے ساتھ مشرق وسطیٰ، مصر اور ترکی کے سفر پر روانہ ہوئے۔ دوران سفر ترکی کی حکومت کی جانب سے تمغہ حاصل ہوا جو آپ کے کاموں کے شایان شان تھا۔ اس تاریخی سفر سے واپسی پر آپ نے ''سفرنامہ روم ومصر وشام''، قلم بند کیا۔ یہ اپنی نوعیت کا ایسا سفرنامہ ہے جس کی مثال اردو زبان میں نہیں ملتی۔ مولانا نے بہت سی گراں قدر تصانیف تحریر کی ہیں۔ آپ کی تحریر کردہ الفاروق، المامون، الغزالی، الکلام، سیرت النعمان، شعر العجم، موازنہ انیس ودبیر جیسی اہم تصانیف اسلامی تاریخ اور ادب کی دنیا میں ایک عظیم کارنامہ ہیں۔ آپ کی انہی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۱۷/فروری ۱۸۹۴ء کو مسٹر ہونگٹن (کمشنر

میرٹھ) نے آپ کو شمس العلماء کے خطاب سے نوازا اور ساتھ میں سند، عمامہ، عبا اور تمغہ عطا کیا۔ آپ کی سب سے آخری تصنیف سیرت النبیؐ ہے، جو سیرت کی کتابوں میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام رکھتی ہے۔

۲۷/مارچ ۱۸۹۸ء کو سرسید کے انتقال کے بعد آپ کالج کی ملازمت سے مستعفی ہو گئے۔ مولوی سید علی بلگرامی کی تحریک پر حیدرآباد کا رخ کیا۔ وہاں محکمہ تعلیم کے ناظم مقرر ہوئے۔ تقریباً چار سال تک خدمات انجام دیں لیکن وہاں بھی اطمینان قلب حاصل نہ ہوا۔ اس دوران لکھنؤ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام کا خاکہ تیار کیا۔ آپ کا شمار ندوۃ کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ ندوۃ کا دستورالعمل آپ ہی نے بنایا تھا۔ اس درسگاہ کی تعمیر وترقی اور بقا کے لیے جان توڑ کوششیں کیں۔ نہ صرف معززین اور اکابرین ملت کا تعاون حاصل کیا بلکہ مالی اعتبار سے بھی اس کو مضبوط اور مستحکم بنایا۔ آپ کو اس ادارے سے بڑی امیدیں تھیں، اس کو آپ اپنے خوابوں کی تعبیر سمجھتے تھے۔ مولانا کا خیال تھا کہ یہ ادارہ آگے چل کر عصری تقاضوں کے مطابق جدید اور مذہبی تعلیم کے حسین امتزاج کی مثال پیش کرے گا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ تاریخ کے ایک ایسے دوراہے پر پیدا ہوئے تھا جبکہ ملت میں جدید وقدیم علوم کی تقسیم بہت واضح تھی۔ یا تو دینی مدارس تھے جن کا نمائندہ دیوبند تھا یا جدید تعلیم کے مراکز تھے جن کی نمائندگی علی گڑھ کرتا تھا۔ ان دونوں تحریکوں کے زیر اثر علماء اور جدید تعلیم یافتہ اشخاص کے درمیان نظریاتی دوریاں پیدا ہو گئی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کو مضر تصور کرتے تھے۔ جدید تعلیم کے دلدادہ قدیم تعلیم کے وجود کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے اور قدیم تعلیم کے نمائندے جدید تعلیم کی ضرورت کے منکر تھے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ قدیم وجدید کے نام پر تعلیم کی تقسیم صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ وہ دینی وعصری تعلیم کی دوئی ختم کرنا چاہتے تھے اور ایک ایسے نظام تعلیم کے حامی تھے جو مسلمانوں کی دینی ودنیوی دونوں طرح کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ مولانا کی دانشمندی اور دوراندیشی نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ دونوں طرح کی تعلیم کے بغیر ملت کا بیڑا پار نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اب آپ کی تمام آرزوؤں کا مرکز ندوۃ العلماء ٹھہرا۔ اپنے حسین خواب سجائے ہوئے ۱۹۰۵ء میں بحیثیت معتمد تعلیم آپ ندوۃ تشریف لے گئے۔ وہاں پر مولانا نے اپنے تصور تعلیم کی بار بار وضاحت کی، اس کی اہمیت، افادیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی۔ اصلاح تعلیم پر بہت مفید اور گراں قدر مضامین لکھے۔ موجودہ نصاب تعلیم میں جو نقائص اور کمیاں تھیں ان سے ماہرین تعلیم اور اکابرین ملت کو آگاہ کیا۔ بہرکیف حالات سازگار دیکھتے ہوئے آپ نظریۂ تعلیم کا جو نقشہ اپنے ذہن ودماغ میں لیکر آئے تھے اس کو عملی جامہ پہنانے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ نصاب تعلیم میں اصلاح کی کوششیں شروع کیں۔ جدید نصاب تعلیم نافذ کیا۔ انگریزی تعلیم کا آغاز کیا۔ ۱۹۰۸ء میں ہندی، سنسکرت

اور۱۹۱۲ء میں لسانیات کا شعبہ قائم کیا۔۱۹۱۳ء میں درس بخاری کا سلسلہ شروع کیا۔لیکن بہت جلد مولانا اور ندوہ کے کچھ اراکین کے درمیان بعض موضوعات پر اختلافات پیدا ہوگئے اور بدگمانیاں سایہ کی طرح پیچھے پیچھے لگی رہیں۔نتیجتاً جولائی ۱۹۱۳ء کو مولانا نے معتمد تعلیم کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔

ندوۃ العلماء کو عصری ضرورتوں اور تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کا جو خواب آپ نے دیکھا تھا وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ یہ بات مبنی بر صداقت ہے کہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے سو برس قبل نصاب تعلیم سے متعلق جو نظریہ پیش کیا تھا اس کی اہمیت وافادیت آج بھی مسلم ہے۔ جو صدا انھوں نے بلند کی تھی اس کی بازگشت ان کی حیات میں بھی اور ان کی وفات کے بعد آج تک سنائی دے رہی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ بعدہ مولانا کی اس تحریک سے ہمت وحوصلہ پاکر متعدد دینی مدارس نے اصلاح نصاب اور تجدید نظام تعلیم وتربیت میں پیش رفت کی ہے۔الغرض مولانا کی پیش کردہ اصلاحی تجاویز اب بھی قابل عمل اور تعلیمی ترقی کے لیے رہنما اصول کا درجہ رکھتی ہیں۔

اگست ۱۹۱۴ء میں اپنے بھائی مولوی اسحاق کے انتقال کے بعد مولانا جب وطن واپس آئے تو اپنی زندگی کے بچے ایام اعظم گڑھ میں گزارے اور اس کو اپنی آرزوؤں کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی طرف متوجہ ہوئے جس کی سرپرستی اس کے قیام (۱۹۰۸ء) کے وقت ہی سے آپ نے قبول کرلی تھی۔اس درسگاہ کے نظام تعلیم کا ایک خاکہ تیار کیا اور اس میں رنگ بھرنے کی ذمہ داری علامہ حمیدالدین فراہیؒ کے سپرد کی۔ اور شبلی منزل میں بیٹھ کر مدرسۃ الاصلاح، دارالمصنفین اور نیشنل اسکول (تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیں) کو منظم اور مربوط کرکے اپنی تعلیمی فکر کو عملی سانچے میں ڈھالنے کی منصوبہ بندی کی۔ ایک طرف اصلاح اور نیشنل اسکول کی ترقی کی دھن تو دوسری طرف دارالمصنفین کی تخم ریزی کی فکر اور اس کے ساتھ ساتھ سیرت النبیؐ کی تکمیل کی لگن، اور پھر وہ وقت آگیا جبکہ یہ ساری خواہشیں اور حسرتیں دل میں ہی دفن ہوکر رہ گئیں۔ ۵۷ سال کی قلیل عمر میں علم وادب، تاریخ وفلسفہ اور تحقیق وتنقید کی بے مثال خدمات انجام دینے کے بعد ۱۸/نومبر ۱۹۱۴ء کو مولانا نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے خوابوں کے سرچشمے دارالمصنفین کے احاطے میں مدفون ہوگئے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ جس طرح سے اپنی تعلیمی فکر اور نظریہ تعلیم کے مطابق مذکورہ تینوں اداروں کا ارتقاء چاہتے تھے وہ تو نہیں ہوسکا، البتہ ان کی خواہشات کی تکمیل کسی نہ کسی شکل میں ضرور ہوگئی ہے۔ گرچہ تینوں علمی مراکز الگ الگ قائم ہیں لیکن جس طرح سے اپنی تدریسی، تعلیمی اور تصنیفی خدمات انجام دینے میں سرگرم عمل ہیں دراصل وہ آپ کے خوابوں کی ہی تعبیر ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہی نہیں بلکہ باعث مسرت ہے کہ مولانا نے تعلیمی میدان میں جس خوش آئند انقلاب اور ارتقاء کا خواب دیکھا تھا اسی نہج پر

جامعۃ الفلاح کا قیام بھی عمل میں آیا، جہاں کے نصاب تعلیم میں جدید وقدیم علوم کا متوازن اورحسین امتزاج پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔قرآن کومحور تعلیم بنانے کی بات ہو یا علوم جدیدہ کوشامل نصاب کرنا ہو یا انگریزی زبان وادب کی معیاری تعلیم کا نظم ونسق ہو، جامعہ نے روز اول سے ہی شبلیؒ کے تعلیمی افکارکو روبہ عمل لانے کی سعی پیہم کی ہے۔غرضیکہ مولانا کی وفات کے ساتھ ان کی تحریک ختم نہیں ہوئی بلکہ اس کی لہریں آج بھی تعلیم کے بحر بیکراں میں موجزن ہیں اور گا ہے گا ہے انمول موتی اچھالتی رہتی ہیں۔

علامہ شبلی نعمانیؒ کا دیرینہ خواب تھا کہ ایک ایسا کتب خانہ قائم کیا جائے جس میں بیش بہا تصانیف موجود ہوں اور اہل قلم اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں، ساتھ ہی مصنفین کی ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جن کی تحریریں آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوں اور عیسائی مشنریوں اور مبلغین کی طرف سے مسلمانوں کے مذہب وعقیدے پر ہورہے چوطرفہ حملے کا جواب دے سکیں۔اس مشن کے تحت مولانا نے ۱۹۱۰ء میں ندوہ کے اندر عظیم الشان کتب خانہ کی ضرورت کی مہم چلائی۔مختلف زاویے سے اس کی افادیت واہمیت کو واضح کیا نیز لوگوں کو یہ بھی سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر مسلمانوں کے علوم وفنون اور تاریخ کو زندہ رکھنا ہے تو ایک ایسا کتب خانہ قائم کیا جائے جس میں مذہبی تصانیف کے ساتھ ساتھ ہر فن وموضوع سے متعلق وہ تمام کتابیں موجود ہوں جس کا نیا عہد متقاضی ہے۔بوجوہ جب ایسا نہ ہو سکا تو وطن واپسی پر آپ نے اعظم گڑھ میں اس کی داغ بیل ڈالی۔آپ کے انتقال کے وقت دارالمصنفین دو کچے بنگلے، چند سو کتابیں اور کچھ الماریوں پر مشتمل وجود میں آچکا تھا۔لیکن مولانا کی برسوں پر مشتمل منصوبہ بندی کو عملی جامہ اس ٹیم نے پہنایا جسے انھوں نے اپنے مشن کی تکمیل کے لیے بڑی جانفشانی سے تیار کیا تھا۔ان کے خاص شاگردوں میں علامہ حمیدالدین فراہی، مولانا عبدالسلام ندوی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مسعود علی ندوی اور مولانا معین الدین ندوی قابل ذکر ہیں۔ان لوگوں نے مولانا فراہی کی تحریک پر ایک مجلس ''اخوان الصفاء'' کے نام سے قائم کی، جس کے صدر علامہ حمیدالدین فراہی اور ناظم علامہ سید سلیمان ندوی مقرر ہوئے۔اس جماعت کے مقاصد میں سیرت النبیؐ کی تکمیل اور دارالمصنفین کے قیام کو ترجیح دی گئی۔دارالمصنفین کے مسائل کے حل اور اہتمام کے لیے ۱۵/ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں مذکورہ بالا شخصیات کے علاوہ ملک بھر کے سر برآوردہ اہل قلم اور بہی خواہان ملت جناب حامد نعمانی، مولانا حبیب الرحمان شروانی، کرامت حسین، پروفیسر عبدالقادر پونہ، نواب عمادالملک، نواب سید علی حسن خان، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال (لاہور)، مولانا عبداللہ عمادی اور مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہ کو رکن اساسی بنانے کا فیصلہ ہوا۔اس مجلس کے صدر اول نواب عمادالملک اور نائب صدر جسٹس کرامت حسین مقرر ہوئے۔ان اکابرین ملت نے سب سے پہلے ۴/جولائی ۱۹۱۵ء کو دارالمصنفین ''شبلی اکیڈمی'' کو رجسٹرڈ کرایا۔اس طرح

دارالمصنفین باقاعدہ معرض وجود میں آ گیا۔

اس ادارے کے اغراض و مقاصد کچھ اس طرح ترتیب دیئے گئے:

(۱) ملک میں اعلیٰ مصنفین اور اہل قلم کی جماعت پیدا کرنا۔

(۲) بلند پایہ کتابوں کی تصنیف و تالیف اور ترجمہ کرنا۔

(۳) علمی کتابوں کی طباعت و اشاعت کا سامان فراہم کرنا۔

دارالمصنفین کے قیام کے ساتھ سب سے پہلے شعبہ دارالتصنیف وجود میں آیا۔ پھر حسب ضرورت مزید شعبوں کا اضافہ ہوتا رہا، اور ہر شعبہ الحمدللہ بتدریج اصلاح و ترقی کے راستے پر گامزن ہے۔ سب سے پہلے اس ادارے سے مولانا سید سلیمان ندوی کی تالیف ''ارض القرآن اور مکاتیب شبلی'' شائع ہوئی، گرچہ اس ادارے کا اشاعتی سلسلہ مذہبی کتابوں سے شروع ہوا تھا لیکن شبلی کی صالح روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے رفقاء نے ادبی کاموں کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ اس وقت دارالمصنفین کے ماتحت درج ذیل شعبہ جات اپنی خدمات انجام دے رہیں:

(۱) دارالتصفنیف (۲) دارالاشاعت (۳) دارالطباعت (۴) شعبہ رسالہ معارف (۵) درالکتب (۶) شعبہ تعمیرات

مولانا مسعود علی نے تعمیراتی کاموں کی نگرانی کی۔ مولانا عبدالسلام ندوی اور سید سلیمان ندوی شعبہ تصنیف و تالیف کے کاموں میں مصروف ہوگئے۔ پھر تو اس کام میں دنیا نے ایسی سرعت اور افزونی دیکھی کہ دارالمصنفین کا جود بہت مختصر عرصے میں ایک زندہ و پائندہ حقیقت بن گیا۔ وہ بھی کیا لوگ تھے جنھوں نے علم و ادب کے پرچم کو بلند کرنے اور تاریخ اسلام کو صاف شفاف انداز میں پیش کرنے کے لیے اپنی عمریں کھپادیں۔ ان راہوں پر کون چلنے والا ہے۔ کون ہے جو بعد کے سلسلے کو مربوط کرے۔ اسلام اور اسلامیان ہند کی جو تصویر ان بزرگوں نے اپنی تحریروں میں تاریخی حوالوں اور مستند ماخذوں کے ساتھ پیش کی ہے۔ ہمارے زمانے کی علمی و ادبی روایات میں اب اس کوہ کنی کا حوصلہ کہاں ہے۔

اپنی زندگی کا بیشتر حصہ علی گڑھ اور ندوۃ میں گزارنے کے بعد آخری ایام میں جب مولانا اپنے وطن واپس آئے تو نیشنل اسکول کی تعمیر و ترقی میں لگ گئے جسے وہ ۲۰/جون ۱۸۸۳ء کو شہر اعظم گڑھ میں قائم کر چکے تھے۔ یہ ایک انگریزی میڈیم اسکول تھا۔ آپ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود اس اسکول کی فلاح و بہبود سے حد درجہ دلچسپی رکھتے تھے۔ مختلف اصلاحات نافذ کرنے اور اسے صحیح سمت میں لے جانے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ مولانا کی یہ دور اندیشی ہی تھی کہ جس زمانے میں ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں تعلیم کے زیادہ مواقع میسر نہ تھے، انھوں نے اعظم گڑھ میں اپنی ذاتی کوششوں

سے اسکول قائم کیا جوتعلیم کو عام کرنے ذریعہ بنا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مشرقی اتر پردیش کے وسیع تر علاقے میں تعلیم وتعلم کا جو رواج ہے اور جو نئی تہذیب، مخصوص ثقافت اور منفرد تمدن دیکھنے کو ملتا ہے وہ علامہ شبلی نعمانیؒ کی کوششوں کا ہی مرہون منت ہے۔

نیشنل اسکول کی شکل میں ان کے لگائے ہوئے پودے نے اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتے ہوئے ۱۸۸۷ء میں مڈل اسکول، ۱۸۹۵ء میں ہائی اسکول اور ۱۹۴۰ء میں انٹر کالج کا درجہ حاصل کیا۔ ذمہ داران کالج کی سنجیدہ کوششیں ایک بار پھر بارآور ثابت ہوئیں اور ۱۹۴۶ء میں ضلع اعظم گڑھ کے پہلے ڈگری کالج ''شبلی نیشنل ڈگری کالج'' کا قیام عمل میں آیا۔ شبلی نیشنل ڈگری کالج ۱۹۷۰ء میں ''شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج'' کے نام سے معروف ومقبول ہوا، اور پورے مشرقی اتر پردیش کے لیے ایک سرسبز وشاداب شجر سایہ دار بن گیا۔ یہ پوسٹ گریجویٹ کالج اپنی ترقی کے تمام مراحل طے کرتے ہوئے آج اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ اس میں ۲۵ سے زائد شعبہ جات قائم ہیں جس میں دس ہزار سے زائد طلبہ وطالبات اپنی علمی وسماجی خدمات کے ذریعہ قوم وملت کا نام روشن کررہے ہیں جس سے کالج کی کارکردگی، وقار، شہرت اور بلندی میں بھی مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔

نت نئی تبدیلیوں اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگی کے باوجود کالج نے اپنی صحت مند روایات کا پاس ولحاظ رکھا ہے نیز زندگی کی اعلیٰ وارفع اقدار کی نمائندگی بھی کرتا ہے جس سے خود علامہ شبلی نعمانیؒ کی شخصیت مزین تھی۔ اس نوعیت سے بھی کالج کی اپنی انفرادی شناخت قائم ہوتی ہے کہ اس نے بلاتفریق مذہب وملت تمام طلبہ کے لیے اپنے دروازے ہمیشہ سے کھلے رکھے ہیں۔ یہ کالج تمام فرقوں، مذاہب اور ذات برادری کے درمیان مساوات، ذہنی رواداری، قومی یکجہتی، آپسی بھائی چارہ اور قومیت کے جذبہ کو فروغ دینے میں روز اول سے ہی سرگرم عمل رہا ہے۔ اپنی بہتر تعلیم وتربیت، عمدہ علمی وادبی ماحول، شاندار تعلیمی نتائج اور آئے دن ہونے والی ثقافتی سرگرمیوں کے لیے ملک بھر میں یہ کالج اپنی امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ کالج کی عمارتوں کا ظاہری حسن، صحن وروش اور لالہ وگل کی باذوق چمن بندی، گیسٹ ہاؤس کی آرائش وزیبائش تعمیری ذوق کا ایسا خوبصورت نظارہ پیش کرتی ہیں کہ ہر کوئی مسحور ہوکر رہ جاتا ہے۔ الغرض آج یہ کالج قوم وملت کے لیے سرمایہ افتخار کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن بہرحال یہ داستان عشق ابھی ناتمام ہے ؎

جستجو ہو تو سفر ختم کہاں ہوتا ہے
یوں تو ہر موڑ پر منزل کا گماں ہوتا ہے

●⧉●

وہ ایک لمحہ

آسیہ فلاحی، معلّمہ کلیۃ البنات، جامعۃ الفلاح

کبھی کبھی لمحے بھر میں انسانی زندگی میں کچھ ایسے واقعات رونما ہو جاتے ہیں جن پر کتنے ہی ماہ وسال گزر جائیں، ان کے نقوش ذہن پر ایسے تازہ رہتے ہیں جیسے ابھی چند ساعتیں ہی گزری ہوں یا ابھی چند دنوں پہلے ہی کے واقعات ہوں۔

۱۹۹۸ء کا وہ یادگار سفر مجھے کبھی نہیں بھولے گا جب میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تھیالوجی ڈپارٹمنٹ میں لکچرر شپ کے لیے انٹرویو دینے کے بعد واپس آ رہی تھی۔ ہمارا سفر علی گڑھ سے لکھنؤ تک بذریعہ ٹرین تھا، آگے لکھنؤ سے اعظم گڑھ بس سے آنا تھا۔ ہم ٹرین سے اُتر کر اعظم گڑھ کے لیے بس پر سوار ہوئے۔ کچھ راستہ طے کیا تھا کہ شام کے کھانے کا وقت ہو گیا۔ ڈرائیور نے بس روک دی اور کنڈیکٹر کے ساتھ قریبی ہوٹل میں کھانا کھانے چلا گیا۔ قریب ایک گھنٹہ کے بعد بس اسٹارٹ ہوئی، اور ہم رات کے پرسکون ماحول میں اپنے سفر پر دوبارہ نکل پڑے۔ تمام ہی مسافر نیند کے مارے اونگھ رہے تھے۔ قریب تین بج رہے ہوں گے کہ بس نے ایک جھٹکا کھایا، اس کے بعد دوسرا جھٹکا، اور پھر تیسرا۔ تمام ہی مسافر گھبرائے ہوئے اُٹھے۔ بس ایک درخت سے ٹکرانے کے بعد سڑک کے کنارے نشیبی علاقے میں جھکی کھڑی تھی۔ زبردست جھٹکا لگنے کی وجہ سے کوئی بھی مسافر اپنی جگہ پر نہ تھا۔ پوری بس میں ایک ہلچل سی مچ گئی، کوئی فرد ایسا نہیں بچا جس کو چوٹ نہ آئی ہو، کسی کی پیشانی پہ ضرب لگی تو کسی کی ناک ٹوٹی۔ سوائے ایک ننھی سی بچی کے جو میری آغوش میں بے خبر سو رہی تھی۔ ڈرائیور کا یہ عالم تھا کہ وہ اسٹیرنگ اور اپنی سیٹ کے درمیان پھنسا ہوا پھٹی پھٹی نگاہوں سے نیم بے ہوشی کی حالت میں مسافروں کو دیکھ رہا تھا۔ کافی چوٹ لگنے کی وجہ سے اس کے سر سے کافی خون بہہ رہا تھا۔ ایسا دردناک منظر تھا کہ اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔

یہ حادثہ اپنے آپ میں بہت کچھ اسباق لیے ہوئے ہے۔ ایک انسان کی کوتاہی، بے عقلی اور بے

عملی سے کتنے لوگ خطرات کا شکار ہوسکتے ہیں، اور وہ خود کس طرح ایک لمحہ میں دردناک انجام سے دوچار ہوسکتا ہے۔ یہ واقعہ بس ڈرائیور کے ہوش سے بے گانہ ہونے کی وجہ سے ہوا، جس نے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی شراب سے شغل کیا تھا اور پھر اپنے ڈرائیونگ کے فن کو مدہوشی کے حوالے کر چکا تھا۔

ڈرائیور خواہ گاڑی کا ہو یا انسانی زندگی کا، یا وہ شخص جس کے ذمہ کسی کنبے کی سربراہی ہو، اگر ہوش وحواس کے ساتھ وہ اپنی گاڑی صحیح رُخ پر نہیں چلاسکتا، اپنے ماتحت افراد کی رہنمائی صحیح اسلامی خطوط پر نہیں کرتا۔ ان کی جسمانی نشوونما اور غذا وخوراک کا انتظام تو کرتا ہے، زندگی گزارنے کے لیے عالیشان مکان تو تعمیر کرتا ہے لیکن ان کی دوسری زندگی کے لیے کس طرح کے اصول وضوابط اختیار کئے جائیں اور اس سلسلے میں قرآن وسنت کی کیاہدایات ہیں اس سے واقفیت اور اس کے مطابق رہنمائی حاصل کرنے اور رہنمائی دینے سے غافل ہے، ایسے طور طریقے اختیار کرتا ہے جو رضائے الٰہی کے خلاف ہیں، کسب معاش میں حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتا، تعلیمی دوڑ دھوپ میں فقط دنیاوی مفاد ہی پیش نظر رکھتا ہے، تربیت اولاد صحیح نہج پر کرنے سے قاصر ہے۔ خلیجی ممالک کے سفر اور معاشی دوڑ دھوپ کر کے مادی حصول میں آگے تو بڑھ جاتا ہے لیکن اس کا پورا گھر بار اس کی غفلت ولاپرواہی کی بنا پر زندگی کی صحیح ڈگر سے اُتر چکا ہوتا ہے۔ بچے صحیح تربیت نہ ملنے کی وجہ سے غلط روی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ گھر کی خواتین فلم بینی، مختلف قسم کے تفریحی مشاغل اور فضول خرچی و بے جا شاپنگ کی دلدادہ اور دین ایمان کے تصور سے خالی ہوجاتی ہیں تو ایسا شخص نہ تو دنیا میں کامیاب وباعزت ہوسکتا ہے اور نہ آخرت میں۔

قرآن کریم میں ایسے شخص کی ناکامی کی تصویر کشی یوں کی گئی ہے:

”قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ“،

ترجمہ: (کہو دیوالیے تو وہی ہیں جنھوں نے قیامت کے روز اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو گھاٹے میں ڈال دیا خوب سن رکھو یہی کھلا دیوالیہ ہے۔)

دیوالیہ عرف عام میں ان حالات کو کہتے ہیں کہ کاروبار میں آدمی کا لگا ہوا سارا سرمایہ ڈوب جائے اور بازار میں اس پر دوسروں کے مطالبے اتنے چڑھ جائیں کہ اپنا سب کچھ دے کر بھی وہ ان سے عہدہ برآ نہ ہوسکے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کو زندگی، عمر، عقل، حس، قوتیں اور قابلیتیں، ذرائع اور مواقع جتنی چیزیں بھی دنیا میں حاصل ہیں، ان سب کا مجموعہ دراصل وہ سرمایہ ہے جسے وہ حیات دنیا کے کاروبار میں

لگا تا ہے۔ یہ سارا سرمایہ اگر کسی شخص نے اس مفروضے پر لگا دیا کہ کوئی خدا نہیں ہے یا بہت سے خدا ہیں جن کا میں بندہ ہوں اور کسی کو مجھے حساب نہیں دینا ہے یا محاسبے کے وقت کوئی دوسرا مجھے بچالے گا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے گھاٹے کا سودا کیا اور اپنا سب کچھ ڈبو دیا۔ یہ پہلا خسران ہے، دوسرا خسران یہ ہے کہ اس غلط مفروضے پر اس نے جتنے کام بھی کئے ان سب میں وہ اپنے نفس سے لے کر دنیا کے بہت سے انسانوں اور آئندہ نسلوں اور اللہ کی دوسری بہت سی مخلوق پر ظلم کرتا رہا۔ اس لیے اس پر بے شمار مطالبات چڑھ گئے مگر اس کے حصے میں کچھ نہیں ہے جس سے وہ مطالبات کا بھگتان کر سکے۔ اس پر مزید خسران یہ ہے کہ وہ خود ہی نہیں ڈوبا بلکہ اپنے بال بچوں اور عزیز واقارب، اور دوستوں اور ہم قوموں کو بھی اپنی غلط تعلیم و تربیت اور غلط رہنمائی سے لے ڈوبا، یہ تین خسارے ہیں جن کے مجموعے کو اللہ تعالیٰ نے خسران مبین قرار دیا ہے۔

اسی طرح کسی تنظیم و تحریک کا امیر اگر اپنے تمام رفقاء کار کی صلاحیتوں کو صحیح رخ دینے اور ان کی صلاحیت کے مطابق کام لینے کے ہنر سے ناواقف ہے، لوگوں کے درمیان عدل و مساوات روا نہیں رکھ پاتا، اور نہ ہی ان کی صحیح رہنمائی کرسکتا ہے تو ایسا امیر اپنی تنظیم کو نہ تو کسی طرح کی کامیابی سے ہمکنار کرسکتا ہے اور نہ اسے منزل مقصود تک پہنچانے کی صحیح سعی و جہد کرسکتا ہے۔

کسی ادارے کا سربراہ جس کے اندر ایمان تو ہو لیکن غلط روی کے انجام سے بے خبر اندھا دھند ایک ڈگر پر چل رہا ہو، دینی بصیرت سے بے بہرہ ہو نیز اس کے حکم اور فیصلے کا ماتحت پر زور چلتا ہو، لیکن صحیح قوت فیصلہ اور دور اندیشی سے محروم ہو تو وہ اپنے ادارہ کو نہ تو ترقی کی راہ پر ڈال سکتا ہے اور نہ منزل مقصود تک پہونچانے میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔

قیامت کے دن ایسے تمام امراء و رؤساء و سربراہان کے سلسلے میں ان کے دنیا کے اعوان و انصار اُن کے مددگار ہونے کے بجائے ان پر الزام لگانے والے اور اپنی ناکامی کے لیے ان کو مورد الزام ٹھہرانے والے ہوں گے۔ عوام الناس، جو آج دنیا میں اپنے لیڈروں، سرداروں، پیروؤں اور حاکموں کے پیچھے آنکھیں بند کئے چلے جا رہے ہیں یہی عوام جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ حقیقت کیا تھی اور ان کے پیشوا اور قائد انھیں کس انجام سے دوچار کرنے والے ہیں (اپنی پیروی کروا کر) تو یہ اپنے بزرگوں پر پلٹ پڑیں گے اور چیخ چیخ کر کہیں گے کہ کم بختو تم نے ہمیں گمراہ کیا، تم ہماری ساری مصیبتوں کے ذمہ دار ہو، تم ہمیں نہ بہکاتے تو ہم اطاعت الٰہی میں سرگرم ہوتے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ

مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ"(سورۃ سبا:۳۱)

ترجمہ: (کاش تم دیکھو ان کا حال اس وقت جب یہ ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے جو لوگ دنیا میں دبا کر رکھے گئے تھے وہ بڑے بننے والوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔)

لیڈران کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی طاقت نہ تھی جس سے ہم چند انسان تم کروڑوں انسانوں کو زبردستی اپنی پیروی پر مجبور کرتے، ہماری دولت وطاقت کا سرچشمہ تو تمہارے ہی ہاتھ میں تھا،تم ہمارے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے تو ہماری پیروی ایک دن نہ چلتی ،تم زندہ باد کے نعرے نہ مارتے تو کوئی ہمارا پوچھنے والا نہ ہوتا۔تم اغراض وخواہشات کے بندے تھے۔تم حلال وحرام سے بے نیاز ہوکر عیش دنیا کے طالب تھے،تم ایسے پنڈتوں اور مولویوں کے طلب گار تھے جو ہر شرک وبدعت اور تمہارے نفس کی پسندیدہ چیزوں کو عین حق ثابت کر کے تمہارا دل خوش کردیں اور اپنا کام بنائیں،تمہیں ایسے لیڈر درکار تھے جو کسی نہ کسی طرح تمہاری دنیا بنادیں،خواہ عاقبت بگڑے یا درست ہو۔اب تم کہاں یہ ڈھونگ رچانے چلے ہو کہ گویا تم بڑے معصوم لوگ تھے اور ہم نے زبردستی تمہیں بگاڑ دیا۔کہا گیا:

"قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَى بَعْدَ إِذْ جَاءكُم بَلْ كُنتُم مُّجْرِمِينَ"(سورۃ:سبا۔۳۲)

ترجمہ: (وہ بڑے بننے والے ان دبے ہوئے لوگوں کو جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں اس ہدایت سے روکا تھا جو تمہارے پاس آئی تھی؟ بلکہ تم خود مجرم تھے۔)

ان عوام کا جواب یہ ہوگا کہ تم اس ذمہ داری میں ہم کو برابر کا شریک کہاں ٹھہرا رہے ہو، کچھ یاد بھی ہے کہ تم نے اپنی چال بازیوں،فریب کاریوں اور جھوٹے پروپیگنڈوں سے کیا طلسم باندھ رکھا تھا،اور رات دن خلق خدا کو پھانسنے کے لیے کیسے کیسے جتن تم کیا کرتے تھے۔معاملہ صرف اتنا تو نہیں ہے کہ تم نے ہمارے سامنے دنیا پیش کی اور ہم اس پر ریجھ گئے،امرواقعہ یہ بھی ہے کہ تم شب وروز کی مکاریوں سے ہم کو بے وقوف بناتے تھے۔کہا گیا:

وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَن نَّكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَندَاداً وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔(سورۃ:سبا۔۳۳)

ترجمہ: (وہ دبے ہوئے لوگ بڑے بننے والوں سے کہیں گے 'نہیں'، بلکہ شب و روز کی مکاری تھی جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہرائیں، آخر کار جب یہ لوگ عذاب دیکھیں گے تو اپنے دلوں میں پچھتائیں گے اور ہم ان منکرین کے گلوں میں طوق ڈال دیں گے، کیا ان لوگوں کو اس کے سوا اور کوئی بدلہ دیا جا سکتا ہے کہ جیسے اعمال ان کے ویسی جزا وہ پائیں۔)

قرآن مجید میں پیشواؤں اور پیروؤں کے اس جھگڑے کا ذکر مختلف مقامات پر ہے۔ جیسے سورۃ الاعراف آیت: ۳۸، ۳۹، سورۃ ابراہیم: ۲۱، سورۃ القصص: ۶۳، سورۃ الاحزاب: ۶۶۔۶۸، سورۃ المومن: ۴۷۔۴۸، سورۃ حم سجدہ: ۲۹۔

بظاہر تو یہ آیات کافر لیڈران اور ان کے پیروؤں کے درمیان قیامت کے دن ان کے جھگڑے اور تکرار سے متعلق ہیں لیکن یہ آیات ہر لیڈر، سربراہ مملکت، امیر تحریک و تنظیم اور قائد و رہنمائے ادارہ و سربراہ قوم کے لیے آئینہ ہیں، جس میں اس دنیا میں سب کو اپنی تصویر دیکھنی ہے کہ کہیں ہم کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر خسران سے دوچار ہونے والے تو نہیں ہیں۔

ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہ ہو جو ہم سے ہماری عافیت کو چھین لے اور دعا کرنی چاہیے کہ ہمیں وہ لمحہ نصیب ہو جو کامیابی سے ہمکنار کر دے، اس لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہتے ہوئے زندگی کے ہر لمحہ کو اطاعت الٰہی میں گزارنے کی ضرورت ہے اور نصاب زندگی کے لحاظ سے کتاب زندگی کو درست رکھنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے بہت سے لمحات یوں ہی رائیگاں چلے جاتے ہیں تو بہت سے لمحات ہمارے کرتوتوں کی بنا پر خلجان و شرمندگی سے دوچار کرتے ہیں، اور بہت سے کامیابی اور اس کے نتیجے میں فرحت و انبساط سے ہمکنار کرتے ہیں۔

خدا کرے کہ اس زندگی کے لمحات اخروی زندگی میں کامیابی کے ضامن ٹھہریں اور ہماری زندگیاں اخلاص و عمل کے نور سے ایسی منور ہوں کہ ہر لمحہ لمحۂ سعادت اور ہر ساعت ساعت خیر و بھلائی ہو۔

●●

حمد پاک

کعبے کی سرزمین خدا کا دیار دیکھ
آنکھوں کو کھول رحمتِ رب کا حصار دیکھ

میں نے کیا سوال کہ کیا ہے ثبوتِ حق
گونجی صدا کہ گردشِ لیل و نہار دیکھ

پوچھا جو میں نے ہوتی نہیں کیوں دعا قبول
آئی ندا کہ قلب کے گرد و غبار دیکھ

یہ اعتبار کیاہے؟ یہ کیا شے ہے اختیار؟
رب نے کہا رسول کے تو چار یار دیکھ

آیا خیال کون ہوں؟ کیا ہے مرا مآل
دل نے کہا کہ اپنے عمل بار بار دیکھ

عزیز نبیل (فلاحی)،قطر

غزل

جب بھی آتا ہے چراغوں کو بجھا دیتا ہے
وہ اُجالوں کو نہیں ہم کو سزا دیتا ہے
وہ حَلَف لیتا ہے گلشن کی حفاظت کا مگر
باغباں بنتے ہی گلشن کو جلا دیتا ہے
جب بھی کہتا ہوں کہ آلودہ ہے چہرہ تیرا
آئینہ مجھ کو ہی آئینہ دکھا دیتا ہے
وہ جو چاہے تو عطا کردے مجھے بھی عظمت
وہ جو بے نور ستاروں کو ضیا دیتا ہے
اس لیے اور بھی پیارا ہے مجھے اپنا ضمیر
جو بزرگوں کی طرح مجھ کو سزا دیتا ہے
کتنا اچھا ہے تری یاد کا موسم جاناں!
جو تصور کو بھی خوشبو میں بسا دیتا ہے
اہمیت میرے چراغوں کی بڑھانے کے لیے
وہ حدیں اور اندھیروں کی بڑھا دیتا ہے
کیوں اُجالوں کو اندھیروں سے شکایت ہے نعیم
یہ اندھیرا ہی اُجالوں کو جِلا دیتا ہے

نعیم احمد غازی فلاحی، نئی دہلی

غزل

یہ ہنر راشدؔ ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
ہے زمیں غالبؔ کی لیکن سوزِ دل ہے میرؔ کا

دھندلا جب سے ہوگیا ہے آئینہ تدبیر کا
شک کی زد میں آ گیا ہے فلسفہ تقدیر کا

اُس ستم ایجاد کا طرزِ کرم بھی خوب ہے
ایک حلقہ روز کم ہوتا گیا زنجیر کا

تختۂ گل، وادیٔ زیر وزبر، قوسِ قزح
اس کو دیکھا تو گماں ہونے لگا کشمیر کا

زندگی میری نظر میں کچھ نہیں اس کے سوا
مسئلہ ہے خواب کا یا خواب کی تعبیر کا

ایک توبہ ہی میں لکھ دی اس نے ساری کائنات
حوصلہ دیکھا ہے کس نے کاتبِ تقدیر کا

آنکھ تب جھپکی شکستِ شب کے جب آثار تھے
خواب بھی دیکھا تو دیکھا صبح کی تنویر کا

سید راشد حامدی فلاحی،
شاہین باغ۔نئی دہلی،موبائیل نمبر:9811126467

معصوم فرشتے

(۱۶/دسمبر ۲۰۱۴ء کے آرمی پبلک اسکول پشاور سانحہ کے پس منظر میں)

رات ظلمت کی نمائندہ ہے، افسوں ہے عجب
دن کے آتے ہی بکھرتے ہیں اُجالے ہرسو
شام کے سُرمئی آنچل میں ستارے ہیں، مگر
صبح کے دم سے ہیں یہ نور کے ہالے ہرسو

وہ بھی اک صبح تھی امید بھری، جاگی ہوئی
گم اعادہ میں تھا اسکول کا ہر اک بچہ
دل میں اک جوش تھا، جذبہ تھا بڑھیں گے آگے
سُرخی چشم سے ملتا تھا پتہ محنت کا

زیست تھی رقص میں، ہرسمت تھی گہما گہمی
کینچلی اوڑھ کے انسان کی حیواں آئے
ظلم کی کرنے چلے اک نئی تاریخ رقم
لے کے سوغات اجل لمحوں میں شیطاں آئے

گل کے رُخ زرد ہوئے، بھولیں تبسم کلیاں
ضرب شاخوں پہ پڑی وہ بھی لہو رنگ ہوئی
آسماں چپ تھا، زمیں ساکت وجامد اُس پل
دست گل چیں میں خزاں دیکھ فضا دنگ ہوئی

کرسی ومیز پہ بکھرے تھے کتابوں کے ورق
لفظ خاموش ہوئے خامہ میں ڈر کے مارے
واپسی گھر کی طرف لکھی نہ تھی قسمت نے
اپنی منزل چلے معصوم فرشتے سارے

وحشیوں میں یہ صفت آئی ہے کیونکر آخر
بھول کر بھی نہ یہ انسان کوئی کرتا ہے
نذر آتش کرے خرمن کو وہ ہے دیوانہ
گھر کو اپنے بھلا ویران کوئی کرتا ہے

آس دستک کی ہراک در کور ہے گی اختؔر
چشم چھلکائے گی ہرروز سبو برسوں تک
مندمل زخم نہ ہو پائے گا ممتا کا کبھی
اشک غم ہی نہیں، ٹپکے گا لہو برسوں تک

سعید اختر اعظمی، معلم دارۃ السلام انٹرنیشنل دہلی پبلک اسکول، ریاض، سعودی عرب

غزل

بے نفع وبے اثر بے کار ہے
بے خدا علم وہنر بے کار ہے

جو کبھی نہ دے سکے ظل وثمر
باغباں ایسا شجر بے کار ہے

بے شعورِ منزل وسمت سفر
باندھنا رخت سفربے کار ہے

ہو سیاست سے جدا مذہب اگر
آپ کی شام وسحر بے کار ہے

خواب یکجہتی کا اکمل دیکھنا
بے وسعت فکرونظر بے کار ہے

محمد اکمل فلاحی،
استاذ جامعۃ الفلاح

غزل

جھلملاتے رہے اشک تارے بہت
ہم نے دیکھے ہیں ایسے نظارے بہت
دور موجوں نے پھر کردیا تھا ہمیں
ورنہ ہم آلگے تھے کنارے بہت
غم کو ہم نے زیادہ نہ بڑھنے دیا
ورنہ پاؤں تو اس نے پسارے بہت
جاں لٹانے کی جب بھی ضرورت پڑی
کام آئے ہیں یہ سر ہمارے بہت
جب تک ان کی نگاہ عنایت رہی
میرے دامن میں تھے چاند تارے بہت
عہد پانے کا تجھ کو کیا تھا کبھی
اس لیے ہم پھرے مارے مارے بہت
ہائے ہم پر انہیں کو نہ پیار آسکا
جو ہمیں تھے اے تنویر پیارے بہت

تنویر آفاقی فلاحی،
ابوالفضل انکلیو۔نئی دہلی
موبائیل نمبر:9811912549

غزل

پتہ پتہ سہما ہے ، لرزاں ڈالی ڈالی ہے
وہ جو ننگ گلشن تھا، آج چمن کا مالی ہے

برق وشرر کی گردش سے سہمے ہیں مرغانِ چمن
جانے کس کے نشیمن پر بجلی گرنے والی ہے

دل کے بند دریچوں پر خوف نے ڈیرے ڈالے ہیں
امن کا سورج ڈوبا ہے، رات بڑی ہی کالی ہے

بدلا ایسا رنگ چمن نے، چھائے ہر سو زاغ وزغن
نعرہ ہے خوش حالی کا، رقص کناں بدحالی ہے

کانٹا بن کر پھول چبھے ، وقت برا وہ آیا ہے
پردے میں تعمیر کے اب، گلشن کی پامالی ہے

ڈاکٹر ضیاء الرحمن ضیاء،
شانتاپورم۔ کیرلا

غزل

عشق ہونا چاہیے ، بھر پور ہونا چاہیے
ہاں مگر حرص وہوس سے دور ہونا چاہیے

دوستی وہ ہے جو ہوجائے تو بس باقی رہے
دوستی کو بھی میاں ناسور ہونا چاہئے

عزتیں اور شہرتیں تو آنی جانی چیز ہیں
اس پہ انساں کو نہ یوں مغرور ہونا چاہیے

آپ کہتے ہیں کہ ہم ان کے وفاداروں میں ہیں
آپ کے چہرے پہ اس کا نور ہونا چاہیے

ہر طرف تاریکیاں جہل وبدی کی ہیں، جنھیں
حکمت وتدبیر سے کافور ہونا چاہیے

ایک مدت سے بھٹکتے پھر رہے ہیں رہنما
خاتمہ تیرا شب دیجور ہونا چاہئے

سربلندی دیکھ کر چھوٹوں کی اپنے اے ضمیر
شاد ہونا چاہیے ، مسرور ہوناچاہیے

ضمیر اعظمی فلاحی،
مرکز جماعت اسلامی ہند
موبائیل نمبر:9810915189

آرزوئیں آج بھی یوں ڈھونڈتی ہیں آپ کو

ڈاکٹر محمد افضل فلاحی، بلریا گنج، رکن مجلس شوریٰ جامعۃ الفلاح
موبائیل نمبر: 9651377057

جناب ماسٹر عارف صاحب مرحوم جامعۃ الفلاح کی مجلس انتظامیہ اور مجلس عاملہ کے رکن رہے، جماعت اسلامی ہند کے بھی رکن تھے، زندگی کا طویل حصہ درس وتدریس میں گزرا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد گزشتہ کئی سالوں سے جامعۃ الفلاح کے انتظامی امور سے وابستہ رہے۔ کلیۃ البنات کے معاون مہتمم بھی رہے، ماہ جنوری کی ۳؍تاریخ کو آپ اس دار فانی سے کوچ کر گئے، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے، ذیل میں آپ کی حیات وخدمات سے متعلق ایک مختصر مگر جامع اور اہم تحریر پیش ہے۔ **مدیر**

اس دار فانی میں انسان آتے ہیں، زندگی گزارتے ہیں اور پھر یہاں سے رخصت ہوجاتے ہیں۔ مگر ان میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی یادیں لمبے وقت تک کے لیے لوگوں کے دلوں میں محفوظ ہوجاتی ہیں۔ ان میں سے ایک نام ماسٹر محمد عارف خاں صاحب مرحوم (رکن شوریٰ جامعۃ الفلاح و رکن جماعت اسلامی ہند) کا ہے جو بتاریخ ۳؍جنوری ۲۰۱۵ء کو اپنے تمام ہمدردوں اور بہی خواہوں کو چھوڑ کر اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

ماسٹر صاحب مرحوم ۵؍اکتوبر ۱۹۴۸ء کو قصبہ بلریا گنج ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے، والد محترم کا نام جواد احمد اور والدہ محترمہ کا نام ہاجرہ خانم تھا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ (جامعۃ الفلاح) سے حاصل کی۔ ۱۹۶۸ء میں ہائی اسکول گاندھی انٹر کالج مالتاڑی اور ۱۹۷۰ء میں انٹرمیڈیٹ شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ سے کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا رخ کیا۔ ۱۹۷۳ء میں B.Sc، ۱۹۷۴ء میں B.Ed اور ۱۹۷۶ء میں تاریخ سے M.A کی ڈگری سے سرفراز ہوئے۔ ۱۹۷۶ء میں ہی رفیع الدین فقیہ گرلس ہائی اسکول بھیونڈی میں بحیثیت استاد تقرر ہوگیا۔ آپ ۳۱؍سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد

۲۰۰۷ء میں ریٹائر ہو گئے اور مستقل قیام کی غرض سے اپنے آبائی وطن بلریا گنج واپس آ گئے۔

ماسٹر صاحب کی طبیعت میں خوب ظرافت تھی۔ حاضر جوابی بے مثال تھی۔ تمام وسائل اور فراوانی کے باوجود آپ کے یہاں بہت ہی سادگی تھی۔ کوئی تصنع نہیں۔ بالکل سادہ لباس اور سادہ زندگی۔ وہی پاجامہ کرتا، سر پر ٹوپی اور اوپر سے جبہ۔ ان کی یہ سادگی آخری وقت تک برقرار رہی۔ صاف گو تھے اور جس بات کو حق سمجھتے اس کا برملا اظہار کرنے والے تھے۔ آپ ہر شخص سے نہایت کھلے دل سے ملتے۔

ماسٹر صاحب مرحوم نے اپنے عمر عزیز کا بیشتر حصہ درس وتدریس اور افہام وتفہیم میں گزارا۔ پوری پوری رات کتابوں کے مطالعہ میں گزر جاتی۔ جس کی وجہ سے علمی استعداد اچھی تھی اور معلومات کا ذخیرہ کافی وسیع تھا۔ پانچ زبانوں (انگلش، ہندی، عربی، فارسی، اردو) سے واقفیت تھی۔ ادب سے دلچسپی بلکہ گہرا لگاؤ تھا۔ طبیعت میں شعر گوئی کا فطری ملکہ تھا۔ مشکل سے مشکل سوال کا جواب بالکل سادہ، سلیس اور روزمرہ کی زبان میں ادا کرنے کا فن جانتے تھے۔ آپ اچھے استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے انشاپرداز بھی تھے۔ آپ نے بہت سارے مضامین لکھے ہیں جو مختلف میگزین کے صفحات پر بکھرے پڑے ہیں۔ آپ کی تحریروں میں ملت کا درد جھلکتا ہے۔ آپ کے مضامین عالمانہ ہوتے تھے جن میں سادگی بیان کے ساتھ ساتھ منطقی تجزیہ ہوتا تھا۔ جامعۃ الفلاح کے قیام کی ابتدائی تاریخ بھی آپ نے لکھی تھی، جس سے بعد میں جامعہ کی تاریخ مرتب کرنے والوں کو کافی مدد ملی۔ آپ مقرر بھی تھے۔ تقریر اس ڈھنگ سے کرتے کہ موضوع کا حق ادا ہو جاتا۔

آپ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی تھی کہ پوری زندگی تحریک سے وابستہ رہے۔ جس کی وجہ سے اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کا اچھا موقع ملا۔ غیر اسلامی افکار وخیالات سے بھی اچھی واقفیت تھی اور وقت کے اہم مسائل پر بھی نظر رکھتے تھے۔ آپ ۱۹۸۰ء میں جماعت اسلامی ہند کے رکن بنے۔ جماعت اسلامی ہند سے والہانہ لگاؤ رکھتے تھے، اور جماعت کے تمام پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد جب وطن واپس آئے تو آپ کی صلاحیتوں سے جامعۃ الفلاح نے استفادہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۸؍اکتوبر ۲۰۰۹ء کو جامعہ کے رکن شوریٰ بنائے گئے۔ اس کے علاوہ مجلس عاملہ کے رکن، اور کلیۃ البنات کے معاون مہتمم بھی رہے۔ مرکز تعلیم اساتذہ (جامعۃ الفلاح) کے زیر اہتمام شعبہ ابتدائی کے معلمین و معلمات کی تربیت کے لیے نصاب کی تیاری اور پھر چھ ماہ کی ٹریننگ کے پروگرام میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر کا فریضہ انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔ آپ کے پسماندگان میں چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

●⊡●

تعارف وتبصرہ

تاریخ جمعیت نمبر (اسلامی جمعیت طلبہ جموں وکشمیر: فلسفہ، قیام اور تاریخ)

(خصوصی شمارہ ماہنامہ پیام: جولائی تا نومبر ۲۰۱۴ء)

مدیر: زیڈ۔ایچ۔فلاحی

پتہ: جمعیت بلڈنگ، باراں پتھر، باتاملو، سری نگر۔جموں وکشمیر

ماہنامہ پیام اسلامی جمعیت طلبہ جموں وکشمیر کے ذہین، باذوق اور پرعزم طلبہ کا فکری ترجمان ہے، جو گزشتہ بارہ سالوں سے جموں وکشمیر کے طلبہ ونوجوانوں کی مثبت اور تعمیری خطوط پر ذہن سازی، کردار سازی اور شخصیت سازی کا کام انجام دے رہا ہے۔ زیرنظر ماہنامہ پیام کا خصوصی شمارہ کئی پہلوؤں سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے ذریعے جہاں اسلامی جمعیت طلبہ کی تاریخ کو مرتب کرنے کا کام کیا گیا ہے، وہیں بین السطور جموں وکشمیر کی سیاسی تاریخ کے ساتھ ساتھ اسلامی جمعیت طلبہ کے اُن تجربات کا نچوڑ بھی پیش کردیا گیا ہے جن کا سامنا ۱۹۷۷ء سے اب تک مختلف مراحل اور حالات میں کرنا پڑا ہے۔ مدیر موصوف کا اداریہ مختصر لیکن جامع اور فکرانگیز ہے، لکھتے ہیں:

''جمعیت اپنی تاریخ لکھ رہی ہے! لیکن جمعیت کی تاریخ کا ایک نیا باب رقم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جمعیت کے افراد اور جمعیت کی مجموعی قیادت تاریخ کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر ایک شاندار مستقبل کی بنیاد رکھے۔ جمعیت کے دستور اور پالیسی کو سامنے رکھتے ہوئے زمانہ وحالات کی نبض پر ہاتھ رکھ کر ترجیحی اور مستقل بنیادوں پر ایک لائحہ عمل تشکیل دے اور جمعیت کی محافظ بن کر اس کی دعوت کے لیے سرگرم عمل ہوجائے''۔

ماہنامہ پیام کا یہ شمارہ پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں تحریک اسلامی کے کچھ نمایاں عملی وفکری قائدین کے پیغام ہیں، پیغامات تمام ہی اہم اور فکر وعمل پر ابھارنے والے ہیں۔ دوسرا حصہ 'اسلامی جمعیت طلبہ: فلسفہ، قیام اور تاریخ' کے عنوان سے ہے، جس میں جمعیت کے قیام کے مقاصد، فلسفہ اور تاریخ کے علاوہ متعدد علمی وفکری موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ تیسرا حصہ 'کاروان جمعیت منزل بہ منزل' کے عنوان سے ہے، اس میں جمعیت کے سابق نظمائے اعلی سے ان کی میقات سے متعلق خصوصی انٹرویوز لیے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعیت نے کس طرح اور کن ترجیحات کے ساتھ مختلف مراحل میں اپنا تحریکی سفر جاری رکھا۔ اس خصوصی شمارے

کا چوتھا حصہ 'پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ' کے عنوان سے ہے، اس میں سابق معتمدین عام سے انٹرویوز لئے گئے ہیں۔ آخری حصے کا عنوان ہے 'جمعیت کا روشن مستقبل: چیلنجز اور امکانات'، اس حصے میں احتساب وجائزہ، اور مستقبل کی پیش رفت کے سلسلے میں اچھے مضامین ہیں۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو مجلّہ کا بیشتر حصہ دلچسپ اور مفید انٹرویوز پر مبنی ہے، کتابت کی بعض معمولی غلطیوں کو صرف نظر کرتے ہوئے مجلّہ فنی اعتبار سے بہت ہی سلیقے سے مرتب کیا گیا ہے۔ امید کہ شائقین اس سے مستفید ہوں گے۔ (مبصر: ابوالاعلی سید سبحانی)

مجلہ دستاویز۔۔ دوحہ/دھلی۔۔۔۔ عالمی اردو ادب کا سالانہ دستاویزی سلسلہ

(اردو کے اہم غیر مسلم شعراء وادباء کے نام)

(دستاویز چہارم۔پنجم ۲۰۱۳ء تا ۲۰۱۴ء)

مدیر اعلی: عزیز نبیل (فلاحی)

صفحات: ۷۲۶/

پتہ: ادارہ دستاویز، پوسٹ باکس نمبر ۱۹۰۱، دوحہ قطر

سالانہ مجلّہ دستاویز اردو زبان وادب سے دلچسپی رکھنے والے بعض تحقیقی اور تخلیقی ذہنوں کی سنجیدہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مجلّہ دستاویز کا پہلا شمارہ ۲۰۱۰ء میں جناب عزیز نبیل (فلاحی) کی ادارت میں شائع ہوا۔ اس کے سرورق پر بہت ہی نمایاں لفظوں میں درج تھا''عالمی اردو ادب کا سالانہ دستاویزی سلسلہ''، چنانچہ پہلے شمارے میں عالمی اردو ادب کے اُن مایہ ناز قلم کاروں کی تخلیقات کو دستاویز کیا گیا جو اکیسویں صدی کے پہلے عشرے ۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۹ء کے درمیان جہان اردو کو سوگوار کر گئے۔ دستاویز کا دوم سوم شمارہ ۲۰۱۱ء تا ۲۰۱۲ء میں شائع کیا گیا، یہ تھا''اردو کے اہم ادبی رسائل وجرائد نمبر''۔ اس شمارے میں ہندوپاک کے علاوہ دنیا بھر میں شائع ہونے والے اہم اردو رسائل وجرائد کا تعارف کرانے کی ایک اچھی کوشش کی گئی ہے۔

دستاویز کی تازہ پیشکش اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں اردو زبان کے اہم غیر مسلم شعراء وادباء کے سلسلے میں اچھی معلومات اور ان کی شعری ونثری تخلیقات کا اچھا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو شعر ونثر دونوں ہی میں غیر مسلم برادران کا کتنا اہم حصہ ہے۔ شمارے کے آغاز میں مدیر اعلی جناب عزیز نبیل کا بہت ہی مختصر اور جامع اداریہ ہے، جس میں اس شمارے کی ضرورت، اہمیت اور مشمولات کے سلسلے میں اچھی گفتگو کی گئی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ''زیر نظر دستاویز دوسو پچیس اہم شعراء وادباء کی تخلیقات اور پانچ سو سے زائد کے سوانحی کوائف، نیز ستر سے زائد اہم فنکاروں کی نادر ونایاب تصاویر پر مشتمل ہے۔ بے شمار قدیم وجدید کتب ورسائل سے معلومات کی فراہمی، اہم تخلیقات کا حصول اور سوانحی کوائف کی تلاش، یہ سب کوئی آسان کام نہیں تھا، لیکن دستاویز اول، دوم، سوم کی اہل اردو کی جانب سے

ملنے والی بے پناہ پذیرائی نے ہمارے جذبوں کو وہ توانائی عطا کی ہے کہ اب ہمیں کوئی آسمان دور اور کوئی سمندر بے پایاں نہیں لگتا''۔(اداریہ،صفحہ:۱۴؍)

مجلّہ دستاویز کے اس شمارے میں اداریے اور شعراء وادباء کی تصویروں کے علاوہ چار اہم گوشے ہیں۔اول گوشہ شاعری کا ہے،جس میں ۱۵۷۵ء(پیدائش) کے 'چندر بھان برہمن' سے لے کر موجودہ دور کے نوجوان شاعر 'ابھشیک شکلا' تک غیر مسلم شعراء کی ایک طویل فہرست اور ان کی شعری تخلیقات پیش کی گئی ہیں۔دوسرا گوشہ نثر کا ہے جس میں افسانے اور طنز ومزاح سے متعلق تخلیقات پیش کی گئی ہیں، اس میں بھی 'سرشار رتن ناتھ' سے لے کر 'دیپک بدکی' تک مختلف اہم ادباء کا احاطہ کیا گیا ہے۔تیسرا گوشہ تحقیق اور تنقید سے متعلق،اور آخری گوشہ سوانحی اشاریے پر مشتمل ہے،جس میں بلحاظ حروف تہجی اردو کے اہم غیر مسلم شعراء وادباء کا سوانحی اشاریہ پیش کیا گیا ہے،اس اشاریے میں شعراء وادباء کے نام،تخلص، مذہب،سن پیدائش اور سن وفات کے علاوہ ان کے مشاغل اور علمی وادبی یادگاروں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ مجلّہ دستاویز کا یہ شمارہ اردو زبان وادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک بہترین پیشکش ہے، جناب عزیز نبیل اور ان کی ٹیم اس کے لیے اردو داں حلقے کی طرف سے شکریے اور نیک تمناؤں کی مستحق ہے۔(مبصر:ابوالاعلی سید سبحانی)

رسالہ جامعہ

جلد نمبر ۱۱۱،شمارہ نمبر ۴-۶،اپریل تا جون ۲۰۱۴ء

مدیر:(پروفیسر) محمد اسحاق (فلاحی)

صفحات: ۲۰۰؍،**قیمت**:۱۰۰؍روپے

پتہ: رسالہ جامعہ،ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز،جامعہ ملیہ اسلامیہ،نئی دہلی-۲۵

'رسالہ جامعہ' جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ادبی وعلمی ترجمان ہے۔اس کے مدیر پروفیسر اسحاق احمد(فلاحی) ہیں۔تازہ شمارہ اپریل تا جون ۲۰۱۴ء پیش نظر ہے۔اس میں مدیر موصوف کے اداریے کے علاوہ کل ۶؍مضامین ہیں۔مضامین کچھ اس طرح ہیں: ولی کی زبان،انیسویں صدی کے اوائل کی دلّی (دستاویز)، ظرافت حزیں معروف بہ قصہ چہار بیوی (تحقیق)،روداد رسوائی (خاکہ)،سرِیناد (خودنوشت)،تزک تیموری (تاریخ)۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نئے وائس چانسلر کے استقبال میں لکھا گیا اداریہ اہم بھی ہے اور حوصلہ بخش بھی۔بیشتر مضامین ماخوذات پر مشتمل ہونے کے باوجود مفید اور معیاری ہیں۔آخری مضمون تزک تیموری بانی خاندان سلاطین مغلیہ امیر تیمور گورگانی کی تزک کا سلیس ترجمہ اردو داں دنیا کے لیے اہم اور مفید چیز ہے۔امید کہ شائقین اس سے مستفید ہوں گے۔(مبصر:ابوالاعلی سید سبحانی)

آپ کے خطوط

الحمدللہ گزشتہ شمارے سے متعلق قارئین کے تأثرات کافی بڑی تعداد میں موصول ہوئے، البتہ صفحات کی قلت کے سبب جملہ تأثرات کو شامل اشاعت کرنا ممکن نہ تھا، چنانچہ یہاں معذرت کے ساتھ محض چند خطوط کی اشاعت پر اکتفا کیا جارہا ہے۔ **مدیر)**

<u>**(مولانا) نیاز احمد ندوی،** شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ</u>

حیات نو (انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان) کا تازہ شمارہ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء) لے کر اس کے نئے مدیر مولوی ابوالاعلی سید سبحانی فلاحی ندوی آئے تھے اور انہوں نے تأثرات لکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ ان کی خواہش کے احترام میں رسالہ کا بغور مطالعہ کیا، مجھے رسالہ اچھا لگا۔ نئے مدیر کی محنت، جذبے اور حوصلے کی وجہ سے رسالہ کا معیار کافی بلند ہوا ہے۔ نئے قسم کے مضامین کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ ''ہمارے زمانے کا جامعہ'' اس عنوان کے تحت قدیم فلاحی حضرات کے تأثرات اور ان کی یادیں پیش کرنے کا بڑا اچھا مفید اور قابل تقلید سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ دیگر علمی دعوتی مضامین بھی بہت اچھے ہیں۔ خود مدیر نے اپنے محترم والد سے علمی ذوق اور دینی ادبی مضامین لکھنے کا سلیقہ ورثہ میں پایا ہے۔ امید ہے کہ یہ رسالہ اردو زبان کے دینی رسالوں میں مضامین و زبان کے اعتبار سے نہایت معیاری رسالہ بن کر ابھرے گا۔ (۲۰۱۵/۲/۲۴)

<u>**(مولانا) محمد اسماعیل،** سابق شیخ التفسیر جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ۔ حال مقیم علی گڑھ</u>

ابوالاعلیٰ سید سبحانی، سلام مسنون!

ڈاکٹر امتیاز وحید کا مضمون ''نگراں جو تھا اپنا۔۔۔'' ایک خاص رنگ کا حامل ہے۔ طلبہ کے لیے جناب تابش مہدی صاحب کا تشجیعی پہلو اور ضرورت مند طلبہ کی ضرورتیں پوری کرنے کی خاطر ان کا تجسّس اور طلبہ کی اصلاح و تربیت کے معاملہ میں ان کا عموماً غیر جارحانہ رویہ قابل تقلید چیزیں ہیں۔ ڈاکٹر امتیاز وحید کے مضمون اور ان کے مکتوب دونوں میں ریکارڈ درست رکھنے کے لیے کچھ باتیں عرض ہیں۔

ماسٹر قاضی زین العابدین صاحب میرے علم کی حد تک طلبہ کے اتالیق کبھی نہیں رہے۔ دوسری

بات یہ کہ استاذ محترم مولانا رحمت اللہ اثری صاحب حسن البنا کی بالائی منزل کے مغربی حصہ کے جب مشرف مقرر ہوئے، اس وقت اور اس کے بہت بعد تک بالائی حصہ تین مشرفین پر مشتمل تھا۔ مغربی حصہ، جس میں عموماً عربی سوم تک کے طلبہ ہوتے تھے، مولانا رحمت اللہ صاحب کے ذمہ تھا، انھوں نے اسے مثالی بورڈنگ بنانے کی کوشش کی تھی اور اسے مثالی بورڈنگ کا نام دیا تھا یا نتیجہ کے طور پر یہ نام اس حصہ کا خود بخود پڑ گیا تھا۔ راقم اس بورڈنگ میں رہنے والے پہلے طلبہ میں تھا۔ بالائی منزل کے بقیہ درمیانی اور مشرقی حصوں یا گراؤنڈ فلور کا کوئی نام نہیں تھا۔ مولانا رحمت صاحب کے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ چلے جانے کے بعد یہ نام ختم ہوگیا اور اس نام کی کوئی بورڈنگ نہیں رہی۔ جامعہ، جب میں دوبارہ آیا تو حسن البنا منزل کا بالائی مغربی حصہ میرے اشراف میں آیا تو میں نے پھر سے اسے مثالی بورڈنگ کا نام دیا، بقیہ حصوں کا اس وقت بھی کوئی نام نہیں تھا۔ ماسٹر محمد ارشد مرحوم اس حصہ کے کبھی نگراں نہیں رہے۔ وہ مشرقی حصہ کے نگراں تھے اور اس جانب کمرہ نمبر ۴۸ میں رہا کرتے تھے۔

مولانا نور محمد فلاحی مرحوم انجمن طلبہ قدیم کے سکریٹری تھے، اس وجہ سے مدیر مسئول کی حیثیت سے ان کا نام حیات نو میں آتا تھا، ادارت کا سارا کام اپنے اپنے وقت میں اس وقت کے مدیر صاحبان انجام دیا کرتے تھے۔

جس کرم خوردہ تذکیری نوٹ کو صاف کرنے کی بات امتیاز وحید کر رہے ہیں، وہ مولانا جلیل احسن ندوی رحمہ اللہ کا نہیں تھا بلکہ وہ مولانا اختر احسن اصلاحی رحمہ اللہ کا تھا، مولانا اختر احسن اصلاحیؒ کبھی کبھی طلبہ کو جو تذکیر کیا کرتے تھے اسے مولانا صغیر احسن اصلاحی رحمہ اللہ اپنے دور طالب علمی میں نوٹ کر لیا کرتے تھے۔ وہی کرم خوردہ تذکیری نوٹ صاف کرنے کے لیے میں نے امتیاز وحید کو دیا تھا۔

اپنی الوداعی نشست میں میں نے عرض کیا تھا کہ جامعہ سے مجھے جو تعلق خاطر ہے اسے بیان کرنے کی اپنے اندر طاقت نہیں پاتا۔ میں نے جو کچھ سیکھا اور جو کچھ پایا وہ سب بڑی حد تک اسی جامعہ کے طفیل ہے۔ اس موقع پر میں نے عربی اور عصری مضامین کے اپنے اساتذہ کا نام بھی لیا تھا۔ اسی ضمن میں بطور خاص مولانا جلیل احسن ندوی برداللہ مضجعہ اور مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی زید مجدہ کا ذکر کیا تھا کہ میں نے سب سے زیادہ انہیں سے استفادہ کیا ہے اور خواہش ظاہر کی تھی کہ مولانا عنایت اللہ صاحب کا قیام جامعہ کے بالکل قریب ہے، ان سے استفادہ کرنا چاہیے۔ علمی مسائل میں اتفاق و اختلاف کا حق سب کو حاصل ہے۔ علمی مسائل میں اختلاف کو اختلاف کی حد تک رہنا چاہیے۔

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، مرکز جماعت اسلامی ہند

برادر مکرم ابوالاعلیٰ سبحانی، مدیر حیات نو اعظم گڑھ

حیات نو کا مطالعہ یوں تو پابندی سے کرتا رہا ہوں، لیکن درمیان میں موقوف ہو جانے کے بعد

جب دوبارہ اس کا اجراء ہوا تو کم دیکھنے کو ملتا تھا۔اب جبکہ کچھ عرصے سے نئے نظم کے تحت نکلنے لگا ہے، برابر موصول ہورہا ہے۔

میں اس کا پابندی سے مطالعہ کرتا ہوں اور یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ اس کی ادارت میں محنت کی جا رہی ہے۔مضامین کے انتخاب، کمپوزنگ، سیٹنگ، طباعت ہر چیز میں سلیقہ، توجہ اور محنت کا اظہار ہوتا ہے۔ ادھر اس میں بعض کالم شروع کیے گئے ہیں، جو بہت مفید ہیں۔دینی، دعوتی، تربیتی، کسی ایک موضوع پر کئی اصحابِ قلم سے لکھوایا جاتا ہے، اس سے ایک موضوع کے مختلف پہلو نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ جامعۃ الفلاح کے ابتدائی دور کے فارغین کے قلم سے 'ہمارے عہد کا جامعہ' بھی مفید سلسلہ ہے۔ برادر محی الدین غازی کے تعاون سے مولانا امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی جو قسطیں شائع ہوئی ہیں وہ تو قرآنیات کے طالب علموں کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ہیں۔اس سلسلے کو جاری رہنا چاہیے۔ یہ بھی واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ فلاحی برادری لکھنے میں دلچسپی لے رہی ہے اور فارغین جامعہ کے قلم سے مفید تحریریں سامنے آرہی ہیں۔ حیاتِ نواب حقیقی معنی میں جامعہ کا ترجمان معلوم ہوتا ہے۔اس میں یقیناً آپ کی محنت کا دخل ہے۔ میری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ہمت وحوصلہ دے۔

<u>ڈاکٹر وقار انور</u>، <u>شعبہ مالیات، مرکز جماعت اسلامی ہند</u>

حیات نو پابندی سے مل رہا ہے اور میں بھی پابندی کے ساتھ تقریباً پورے شمارے کو پڑھ لیتا ہوں۔ میں نے اس پرچہ کے مشمولات کو مفید بھی پایا ہے اور دلچسپ بھی۔خصوصاً جناب نسیم غازی کی شگفتہ تحریروں اور نئے شمارہ میں ان کا افسانہ اور ڈاکٹر محی الدین غازی کا اپنے استاد کے ساتھ علمی مباحثہ۔ اسی طرح ''ہمارے زمانہ کا جامعہ'' کالم کے تحت یاد ماضی جو حال کے اعمال کی بنیاد اور فکرِ مستقبل کی اساس ہے، اچھی چیزیں پڑھنے کو مل رہی ہیں۔

ڈاکٹر محی الدین غازی ''اردو تراجم قرآن پر ایک نظر'' کالم کے تحت ایک قابل قدر کام انجام دے رہے ہیں۔مولانا امانت اللہ اصلاحی کی افادات کو محفوظ کرنا ایک بڑا کام ہے اور اس کے لیے جس لیاقت علمی کی حاجت ہے اس سے غازی بحمد اللہ متصف ہیں۔اللہ مولانا محترم کو صحت اور عمر عطا کرے اور آپ سبحانی برادران کو مزید توفیق دے۔آمین

تازہ شمارہ میں امتیاز وحید فلاحی نے محترم تابش مہدی کی جن خوبیوں کا ذکر کیا ہے انہیں پڑھ کر موصوف کے حسن کردار کی خوبصورت اور دلکش تصویر ابھر کر سامنے آئی جس کے لیے میں ''حیات نو'' اور اس کی ٹیم کا مشکور ہوں۔

ایک مشورہ یہ ہے کہ جامعہ کے ابتدائی دور کی محترم شخصیات کا تعارف کرانے کا سلسلہ شروع کریں۔اگر چہ زیادہ تر شخصیات پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اس کے باوجود اس پرچہ میں ان کا ذکر خیر ہونا

چاہیے۔ اچھی باتوں کا اعادہ کرتے رہنا چاہیے تا کہ ہمیں یاد رہے کہ جو چیزیں آج ہمیں حاصل ہیں ان کے بنانے اور سنوارنے میں کیسی کیسی پیاری شخصیات کے خلوص اور قربانیوں کا حصہ ہے۔

ڈاکٹر محی الدین غازی، متحدہ عرب امارات

گزشتہ شمارہ میں راقم نے مشہور جاہلی شاعر عدی بن زید کا ایک شعر پیش کیا تھا، جس پر حضرت مولانا نعیم الدین اصلاحی نے فرمایا کہ یہ شاعر اہل لغت کے یہاں معتبر نہیں ہے، مولانا کی یہ بات بالکل درست ہے۔ دریں اثنا خیال آیا کہ دیکھیں کہ علماء لغت کا لفظ مصیبة کے بارے میں کیا رویہ رہا ہے۔ تلاش کرنے پر یہ دلچسپ حقیقت سامنے آئی کہ علماء لغت لفظ مصیبة کو بطور اسم مصیبت وآفت کے معنی میں تو استعمال کرتے ہی ہیں، تاہم لفظ أصاب کے اسم وصف یعنی نشانہ پر بیٹھنے والی چیز یا بات کے معنی میں بھی بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔ کچھ مثالیں پیش ہیں:

الناقرة کا مطلب لکھتے ہوئے فیروز آبادی نے لکھا: الداهية والحجة والمصيبة ۔(القاموس المحيط) اس پر تاج العروس کے مؤلف زبیدی نے لکھا کہ قاموس میں واو کاتب کی غلطی ہے صحیح عبارت الحُجَّةُ المُصيبَةُ ہے۔ یعنی ناقرة کے معنی اس دلیل کے ہیں جو نشانے پر بیٹھے۔

زبیدی نے آگے فیروز آبادی کا یہ قول اپنی بات کی دلیل میں پیش کیا: وأتَتني عنه نَواقِرُ أي: كلام يَسُوؤني أو هي الحُجَجُ المُصيباتُ۔

زبیدی آگے لکھتا ہے: وهي سِهام نَواقِرُ: مصيبَة ۔ یعنی سهام نواقر نشانہ پر لگنے والے تیروں کو کہتے ہیں۔

لسان العرب کا مولف ابن منظور لکھتا ہے: والنَّواقِرُ الحُجَجُ المُصيباتُ كالنَّبلِ المصيبة۔ معلوم ہوا کہ ابن منظور کے نزدیک لفظ مصيبة حجة کی صفت بھی بن سکتا ہے اور نبل کا بھی یعنی تیروں کی بھی جو نشانے پر جا لگیں۔

تہذیب اللغة کا مولف ازہری بھی لکھتا ہے: والنواقر الحُججُ المصيباتُ كالنَّبل المصيبة .

معاصر کتب لغت میں المعجم الوسیط کا نام اہم ہے اس میں بھی ہے: الناقرة الحجة المصيبة۔

حسن بن عبداللہ العسکری چوتھی صدی کا مشہور عالم لغت اپنی شہرہ آفاق "كتاب الصناعتين الكتابة والشعر" میں استعارہ کی ایک قسم الاستعارة المصيبة کے نام سے اس طرح ذکر کرتا ہے گویا کہ یہ نام اہل فن کے نزدیک معروف ومانوس ہو۔ الاستعارة: نقل العبارة عن موضع استعمالها فى أصل اللغة الى غيره لغرض، وذلك الغرض اما أن يكون شرح المعنى وفضل الابانة عنه، أو تأكيده والمبالغة فيه، أو الاشارة اليه بالقليل من اللفظ، أو تحسين المعرض الذى يبرز فيه، وهذه الاوصاف موجودة فى الاستعارة المصيبة، ولولا أن الاستعارة المصيبة تتضّمن ما لا

تتضمنه الحقيقة، من زيادة فائدة لكانت الحقيقة أولى منها استعمالا.(81/1)۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں، ورنہ علماء لغت لفظ مـصیبۃ کو اس کے وصفی مفہوم میں خوب خوب استعمال کرتے ہیں۔

راقم کا مدعا یہ ہے کہ کسی لفظ کے بارے میں یہ دعوی کرنا کہ یہ لفظ فلاں معنی میں آتا ہے، چند شواہد اور دلیلوں سے ثابت کیا جاسکتا ہے، کسی لفظ کے بارے میں یہ دعوی کرنا کہ ایک متعین عبارت میں یہ لفظ فلاں مفہوم میں استعمال نہیں ہوا ہے، سیاق وسباق سے ثابت ہوسکتا ہے۔ لیکن کسی لفظ کے بارے میں یہ دعوی کرنا کہ یہ لفظ فلاں معنی میں بالکل نہیں آتا ہے، جبکہ شعراء، ادباء، ماہرین بلاغت اور ائمہ لغت اس کا برملا استعمال کررہے ہوں، بہت وسیع تحقیق اور مضبوط دلائل کا متقاضی ہے۔

(مولوی) محمد عیسیٰ، سابق ناظم جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

سہ ماہی ''حیاتِ نو'' (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء) سامنے ہے۔ ماشاء اللہ خوبصورت وخوشنما بھی ہے اور مجموعی طور پر خوب سیرت بھی۔

(پرانی یادیں) ''ہمارے زمانے کا جامعہ'' میں ''جامعہ'' مؤنث ہے۔ اس سے پہلے بھی میں نے اس جانب توجہ دلائی تھی۔

خالد سیف اللہ فلاحی نے ص:۹ پر لکھا ہے..... ''ڈاکٹر خلیل صاحب'' ''جامعۃ الفلاح'' کے پہلے ناظم تھے۔ یہ خلافِ واقعہ ہے۔ دراصل جب گاؤں والوں نے یہاں بڑا دینی ادارہ قائم کرنے کا منصوبہ بنایا تو اس منصوبے کے تحت جولائی ۱۹۵۹ء میں درجہ ششم کھولا گیا۔ اس وقت حاجی عبدالمجید مرحوم کے بعد حاجی اکرام پردھان منیجر ہوئے۔ ۱۹۶۲ء کے آخر تک مدرسہ کا نام ''جامعہ اسلامیہ'' ہی رہا۔ ذمہ داروں کو احساس ہوا کہ کوئی ایسا نام ہو جس سے فارغین اپنے کو منسوب کرسکیں۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء کے آخر میں ''جامعہ اسلامیہ'' کو بدل کر ''جامعۃ الفلاح'' رکھ دیا گیا۔

اس وقت بھی حاجی اکرام پردھان ناظم تھے۔ جیسا کہ ''تاریخ جامعہ'' ص ۱۸۷ر پر نظماء کی فہرست میں درج ہے۔

''جناب اکرام پردھان صاحب ۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۳ء مدرسہ اسلامیہ، جامعہ اسلامیہ، جامعۃ الفلاح۔'' (تاریخ جامعہ: ص:۱۸۷)

(تجربات ومشاہدات) کے تحت ''نگراں جو تھا اپنا'' ڈاکٹر امتیاز وحید فلاحی کا اندازِ تحریر نرالا اور دلچسپ ہے۔ پسند آیا۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ کئی جملوں پر ہنسنا پڑا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پرچہ مجموعی طور پر بہتر ہے۔ اللہ مزید توفیق دے۔ آمین

ڈاکٹر امتیاز وحید،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، موبائیل نمبر:07827925836

حیات نو اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء کا شمارہ دیکھا، اس کی الکٹرانک کاپی بھی بذریعہ ای میل موصول ہوئی۔ شمارے کو شروع سے آخر تک دیکھا۔ حیات نو کے مندرجات قابل قدر ہیں۔ فلاح کی یادداشتوں پر مشتمل مضمون :''نگراں جو تھا اپنا'' کی اشاعت کے لیے ممنون ہوں۔ اس حوالے سے کئی احباب سے باتیں ہوئیں، اور فلاحی بھائیوں کے فون کال آئے۔ یہ مضمون ہم جیسے بہت سے فلاحی برادران کے لیے فلاح سے متعلق ماضی کی یادوں کی تجدید کا وسیلہ بن گیا۔ اطلاعاً عرض یہ ہے کہ اس کا عنوان میر تقی میر کے شعر ؎

معشوق جو تھا اپنا

باشندہ دکن کا تھا

سے مستعار ہے، جو خدائے سخن میر نے اپنے ممدوح ولی دکنی کے لیے کہا تھا۔

پرسوں علی گڑھ میں استاذ گرامی مولانا اسماعیل فلاحی اور برادر مکرم ضیاء الدین ملک فلاحی صاحبان سے ملاقاتیں ہوئیں۔ فلاح سے متعلق کئی امور زیر بحث آئے۔ اس موقع سے ضیاء الدین بھائی نے بڑی محبت سے جامعۃ الفلاح کے جشن طلائی کے موقع پر اپنی مرتبہ کتاب ''تاریخ جامعۃ الفلاح'' تحفتاً عنایت کی۔ وہ جامعۃ الفلاح کے تعلق سے ہمیشہ کی طرح بڑے جوشیلے نظر آئے۔ شمشاد حسین فلاحی اور مجھ سے دیر تک فلاح کے نظام تعلیم، نصاب اور بہتر نتائج کے لیے ناگزیر تبدیلیوں پر تبادلہ خیال کیا، اور حیات نو کے تعلق سے حوصلہ افزا باتیں کیں۔ انہوں نے بتایا کہ فلاح کے تعلق سے اکثر و بیشتر بیش قیمتی تجاویز ومشورے انفرادی ملاقاتوں میں زیر بحث آتے ہیں جبکہ وہ مشورے اگر تحریری صورت میں محفوظ ہو جائیں تو فلاح کے حق میں مفید ہوگا۔ اسی سلسلے میں انہوں نے گوگل گروپ ''الفلاح کلب'' پر مادر علمی جامعۃ الفلاح سے متعلق فلاحیوں کے قیمتی مشورے کی طرف ہمیں متوجہ کیا، اور تاکید کی کہ مدیر حیات نو کو اس جانب متوجہ کروں۔ امید ہے کہ آپ پر مدعا واضح ہو چکا ہوگا۔

''تاریخ جامعۃ الفلاح'' مرتبہ ضیاء الدین ملک فلاحی مکتب سے لے کر موجودہ جامعۃ الفلاح کے سفر کی ایک مختصر تاریخ ہے۔ اس میں فلاح کے متعدد پہلوؤں پر قیمتی مواد کو یکجا کر دیا گیا ہے، تاہم اس میں بہت سے گوشے تشنہ ہیں۔ کتاب پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ جس پہلو پر معلومات تھیں اس پر خوب لکھا گیا ہے جبکہ بعض اہم موضوعات اور امور سے متعلق مواد عنقا ہے۔ دوسرا عمومی تأثر یہ ابھرتا ہے، جس کا ذکر مرتب نے خود اپنی کتاب میں کیا ہے، وہ یہ کہ پوری کتاب صرف دو ماہ کی قلیل ترین مدت میں لکھی گئی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس قدر اہم ترین امور میں عجلت پسندی اور رواروی سے کام نہیں لیا جانا چاہئے۔ اسے فرسٹ ہینڈ ڈرافٹ تصور کیا جانا چاہئے، اور میری رائے میں حیات نو میں آپ اس پر ایک

وقیع تبصرہ بھی شائع کریں، تاکہ اس تعلق سے زیادہ زیادہ لوگ واقف ہوں، کتاب کو پڑھیں اور اپنی رائے لکھتے جائیں۔ پھر ان آراء کی روشنی میں اسے از سرنو مرتب کیا جائے۔

عفاف اسماعیل، اے، ایم، یو علی گڑھ

برادر مکرم، سلام مسنون!

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۴ کا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ ماشاءاللہ رسالہ خوب سے خوب تر کی طرف گامزن ہے۔

محترم نسیم احمد غازی صاحب کا افسانہ ''کفارہ'' بڑا مؤثر ہے۔ کار دعوت کے لیے فارغین مدارس کی تیاری کے تحت سارے ہی مضامین اچھے ہیں۔ جیسے کار دعوت کے لیے سماج سے جڑنا اور ذاتی تعلقات کا ہونا بڑا اہم ہے۔ نبیؐ سماج سے پورے طور سے جڑے ہوئے تھے۔ ہر ایک کی نفسیات سے واقف تھے، مکہ کا کوئی شخص آپ کے لیے اجنبی نہیں تھا، حلف الفضول میں جس کا قیام عدل وانصاف اور سوشل جسٹس کی بنیاد پر تھا اور جس سے اجتماعی تکافل اور معاشی استحکام مقصود تھا، آپ نبوت سے بیس سال پہلے صرف بیس سال کی عمر میں اس میں شریک ہوئے۔ اسی طرح تربیتی نظام کے سلسلہ میں درج ذیل باتیں توجہ طلب ہیں۔ ہمارے مدارس کا تربیتی نظام جب تک مستحکم نہیں ہوتا اور ہمارے اندر ایسے اساتذہ نہیں ہوتے جو اخلاق وکردار بناتے ہوں۔ جو باتیں کانوں تک نہیں، دلوں تک پہنچاتے ہوں، جو فکری اور عملی دونوں اعتبار سے مثالی داعی ہوں۔ اس وقت تک ہمارے مدارس میں کوئی روحانی اور اخلاقی ماحول پیدا نہیں ہوسکتا اور اس فقدان کے نتیجہ میں ہم سماج پر کبھی بھی اچھا اثر نہیں ڈال سکتے۔ آج اس کے برعکس مدارس اسلامیہ کی عمومی فضا کا جو منظر نامہ ہمارے سامنے ہے وہ انتہائی کرب ناک اور دردناک ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا مدرسہ ہو، جہاں اساتذہ، اساتذہ کے درمیان اور اساتذہ اور انتظامیہ کے درمیان چپقلش نہ ہو بلکہ اساتذہ کے درمیان گروپنگ اور گروہ بندیوں کا تذکرہ ہر مدرسہ کے بارے میں ملتا ہے اور طرفہ یہ کہ بعض دفعہ یہ گروہ بندیاں اتنی شدت اختیار کر جاتی ہیں کہ ہمارے اساتذہ کرام طلبہ عزیز کے ذہنوں کو مسموم کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ بسا اوقات شعوری یا غیر شعوری طور پر کلاسوں کے اندر اپنے اپنے مضامین پڑھاتے وقت بھی اپنے مخالف استاد یا گروپ کے خلاف لب کشائی کرتے رہتے ہیں۔ ایسی مسموم فضا میں داعیِ اسلام تو کجا، گروپنگ کے دلدادہ ہی ہمارے مدارس سے فارغ ہو کر نکلیں گے۔

مدارس اسلامیہ کے ماحول کو دعوتی بنانے کے لیے درج ذیل مشورے بھی اپنے اندر دعوتِ غور وفکر رکھتے ہیں۔ مدارس کے اندر سمپوزیم اور سیمنار منعقد کر کے ان میں قرب وجوار کے غیر مسلم بھائیوں کو شرکت کے لیے مدعو کرنا، بالخصوص اسکولوں اور کالجوں کے ذمہ داران، اساتذہ اور سینئر طلبہ کو دعوت دینا۔ بعض عنوانات پر تحریری مقابلے کرانا اور ان میں غیر مسلم طلبہ کو شرکت پر آمادہ کرنا، طبی اور میڈیکل کیمپ کا انعقاد کرنا اور ان میں غیر مسلم بھائیوں سے افادہ واستفادہ کا موقع فراہم کرنا، مدارس کے آس پاس

برادرانِ وطن کی آبادیوں اور محلوں میں پروگرامس منعقد کرنا جن میں سماجی برائیوں مثلاً شراب نوشی، سود، بے حیائی، دھوکہ دھڑی، بدعنوانی، عورتوں پر مظالم اوران جیسے دیگر مسائل پر، جن سے آج مسلم اور غیر مسلم سبھی دوچار ہیں، گفتگو کرنا اوران پروگراموں میں مدارس کے اساتذہ اور بڑے طلبہ، نیز خواتین کی شرکت کا اہتمام کرنا وغیرہ۔

دعوت کے لیے فارغین مدارس کی تیاری کے مضامین میں ایک اہم مسئلہ کی جانب توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ کہ دعوتی پہلو سے ہمارے سامنے ایک بڑا چیلنج کلچر اور ثقافت کا ہے اور یہ نہایت اہم اور غور طلب مسئلہ ہے کہ کیا ثقافت اور کلچر کی ایک خلیج کے رہتے ہوئے ہم اپنی دعوت کے لیے سامنے والے کے دل میں راستہ بنا سکتے ہیں اور یہ بھی سوچنے کا موضوع ہے کہ ثقافت کے نام پر ہم کس حد تک ملک وعلاقہ کی ثقافت کو قبول کر سکتے ہیں اور کہاں ہمارے لیے سختی اختیار کرنا ضروری ہے، اس سلسلہ میں بھی مدارس کے یہاں عدم توازن کا ثبوت ملتا ہے، لباس اور وضع قطع کے نام پر کس حد تک ہم کو سخت اور بے لچک ہونا چاہیے اور کہاں تک رواداری کا رویہ اپنانا چاہیے؟ یہ سوچنے کا سوال ہے۔

شعر ونغمہ کا انتخاب بہت خوب ہے، خاص طور سے مولانا حافظ احسان الحق فلاحی اور عزیز نبیل فلاحی کی نظم اور غزل نے تارِ دل کو جھنجھوڑ دیا۔ ''شکستہ خاطر'' پر سعید اختر اعظمی کا تبصرہ ''شکستہ خاطر'' کو دیکھنے کے لیے مہمیز کرتا ہے۔ لفظ مصیبۃ پر کئی شماروں سے چل رہی گفتگو میں مولانا نعیم الدین صاحب کی گفتگو سے تشنگانِ علم وادبِ عربی اور طلبہ قرآن کو فائدہ ہوگا۔

محمد صادق ظلی فلاحی، اعظم گڑھ

مجھ کو جانا ہے بہت اونچا حدِ پرواز سے

سہ ماہی حیات نو (اکتوبر تا دسمبر) پیش نظر ہے۔ سچے جذبے، لگن اور محنت کو میرا اسلام۔ سچ ہے کہ اگر حوصلے بلند ہوں، کچھ کر گزرنے کا جذبہ اور سامنے ایک واضح خاکہ ہو تو پھر اس جہان فانی میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ اب حیات نو واقعی اسم با مسمی ہے۔ فکر کو ایک نئی سمت دینے والا، اور تن مردہ میں روح پھونکنے والا۔ اتنی اچھی اور خوبصورت پیشکش کے لیے برادر ابوالاعلی کو دلی مبارکباد۔ سرورق دیدہ زیب اور مجلّہ کے سارے کالم حیات آفرین ہیں۔ اردو تراجم پر ایک نظر کا سلسلہ واقعی لاجواب ہے اور اسے جاری رہنا چاہئے۔ نسیم غازی صاحب کا افسانہ 'کفارہ' دل کو چھو لینے والا ہے۔ خدا کرے ہمارا یہ ترجمان فاضل مدیر کی ادارت میں یونہی دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا رہے۔

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی، استاذ شعبۂ اعلیٰ، جامعۃ الفلاح

پروفیسر محسن عثمانی کی جامعہ آمد

۲؍دسمبر ۲۰۱۴ بروز سہ شنبہ ابواللیث ہال میں جناب پروفیسر محسن عثمانی ندوی صاحب کا ایک لکچر ہوا۔ ناظم جامعہ جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے آپ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ آپ حالات حاضرہ اور تحریکات اسلامی پر گہری نظر رکھتے ہیں، آپ کی کئی تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں۔

جناب پروفیسر محسن عثمانی ندوی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ اگر طلبہ باذوق بننا چاہتے ہیں تو اپنے اندر مطالعہ کا شوق پیدا کریں، اس کے ذریعے انسان بہت اونچے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ طلبہ کو اشعار سے دلچسپی ہونی چاہیے کیونکہ اس کے بغیر آپ کی تحریر اچھی نہیں ہوگی۔ اگر انشاء وادب اچھا ہے تو آپ کی تحریر کی پذیرائی ہوگی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب غبار خاطر کی بہت پذیرائی ہوئی جبکہ علم وتحقیق کے مواد اس میں کم ملیں گے، لیکن مولانا آزاد کی دوسری کتابیں جو علمی اور تحقیقی تھیں غبار خاطر کی طرح پذیرائی حاصل نہ کرسکیں۔ طلبہ اپنے اندر دین کی گہرائی پیدا کریں، مطالعہ کے وقت اچھے جملوں اور تعبیروں کو اپنے ذہن میں بسائیں اور انہیں اپنی تحریروں میں استعمال کریں۔ آیات قرآن پر خود غور کریں پھر تفاسیر پڑھیں، تفاسیر پر سو فیصد بھروسہ نہ کریں۔ ہندو مذہب کا ہندوؤں سے زیادہ گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں تاکہ دعوت کی راہ ہموار ہوسکے۔

ناظم جامعہ کا بابری مسجد کے یوم شہادت پر خطاب

۶؍دسمبر بروز شنبہ ابواللیث ہال میں ناظم جامعہ جناب مولانا محمد طاہر مدنی نے بابری مسجد کے عنوان پر خطاب کیا۔ آپ نے اپنی گفتگو میں بابری مسجد کی تاریخ بیان کی، پھر آپ نے کہا کہ بابری مسجد کی بازیابی مسلمانوں کا ایک فریضہ اور یہ وہ فریضہ ہے جس سے ہمیں عہدہ برآ ہونا ہے۔ یہ کیس ملت کا کیس ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مشترک جدوجہد کی توفیق دے تاکہ ہم دوبارہ وہاں اللہ کی عبادت کرسکیں۔

مولانا نسیم غازی فلاحی کی جامعہ آمد

مولانا نسیم غازی فلاحی نائب صدر مدھر سندیش سنگم کی جامعہ آمد پر ۱۳؍دسمبر ۲۰۱۴ بروز جمعہ بعد نماز مغرب ایک پروگرام منعقد ہوا۔ افتتاحی کلمات ناظم جامعہ جناب مولانا محمد طاہر مدنی نے پیش کئے۔ اس کے بعد 'تعلق بالقرآن' کے موضوع پر ہونے والے سمینار کے مقالات کے مجموعہ کا اجرا ہوا، پھر اس کے بعد مولانا نسیم غازی فلاحی کا پُرمغز خطاب ہوا۔ آپ نے اپنی گفتگو میں دعوت الی اللہ کے مفہوم کو واضح کیا۔ ساتھ ہی ساتھ آپ نے اپنے کچھ دعوتی تجربات ومشاہدات کا بھی ذکر کیا۔

مجلۃ القلم کے تیسرے شمارے کا اجراء

۳۱؍جنوری ۲۰۱۵ بروز شنبہ ابواللیث ہال میں مجلۃ القلم کے نئے شمارہ کا اجرا ہوا۔ اس موقع پر مولانا ذکی الرحمٰن غازی فلاحی نے معمل کی جانب سے مجلّہ القلم کے اس تیسرے شمارے کے مشمولات کا تعارف کرایا۔

مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی نے فرمایا کہ طلبہ کو اس مجلّہ میں دلچسپی لینی چاہیے اور اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد مجلّہ ''القلم'' میں جن طلبہ کے مضامین شائع ہوئے تھے انھیں انعامات سے نوازا گیا۔ اسی طرح ناظم جامعہ کے لکچر ''صفات الناجحین'' کا خلاصہ عربی زبان میں پیش کرنے والے پانچ طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا۔

پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی کا طلبہ سے خطاب

۳۰؍نومبر ۲۰۱۴ بروز یک شنبہ بعد نماز مغرب جامعہ کی مسجد میں پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کا ''صحابہ کرامؓ کے درمیان سیاسی اختلافات'' کے عنوان پر ایک لکچر ہوا۔ آپ نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردانہ تھا، ان کے درمیان اختلاف ہوتے تھے، لیکن وہ انہیں بہت ہی اچھے انداز سے حل کیا کرتے تھے۔

جامعہ میں ششماہی امتحان اور تعطیل سرما

اعلان کے مطابق جامعہ میں ششماہی امتحان کا آغاز ۲۵؍دسمبر ۲۰۱۴ بروز پنج شنبہ سے ہوا اور یکم جنوری ۲۰۱۵ بروز پنج شنبہ تک جاری رہا۔ روزانہ دو میٹنگ میں امتحان ہوئے۔

جامعہ کے تعلیمی کیلنڈر کے مطابق تعطیل سرما کا آغاز ۳؍جنوری ۲۰۱۵ بروز شنبہ کو ہوا۔ ۲۷؍جنوری ۲۰۱۵ بروز سہ شنبہ سے دوسری ششماہی کا آغاز ہوا۔ تعطیل سرما میں تقریباً تمام ہی طلبہ اپنے اپنے گھروں

کے لیے روانہ ہوئے۔اور تاخیر سے جامعہ میں حاضر ہونے والے طلبہ کو تادیبی کارروائی کا سامنا کرنا پڑا۔ ۲۸/جنوری ۲۰۱۵ کو غیر حاضر طلبہ پر ۳۰۰ روپے کا جرمانہ عائد کیا گیا جبکہ ۲۹/جنوری اور ۳۱/جنوری کو غیر حاضر رہنے والے طلبہ پر یومیہ سوسو روپئے کا جرمانہ عائد کیا گیا۔

ڈاکٹر مجدی ہلالی کی کتاب کا ترجمہ

۴/فروری ۲۰۱۵ بروز چہارشنبہ ابواللیث ہال میں ''اسلام ایک تنہا حل: کیوں اور کیسے؟'' نامی کتاب کا اجراء ہوا۔ دراصل یہ کتاب ڈاکٹر مجدی ہلالی کی ''الاسلام ھوالحل'' کا اردو ترجمہ ہے۔ جناب مولانا ذکی الرحمان غازی فلاحی نے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب میں اختصار کے ساتھ تحریک اخوان المسلمین کی دعوت کا خلاصہ جمع کر دیا گیا ہے۔

مہتمم تعلیم وتربیت کا طلبہ سے خطاب

۲/فروری ۲۰۱۵ء بروز دوشنبہ بعد نماز مغرب جامعہ کی مسجد میں مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب کا ایک محاضرہ معمل اللغہ کی جانب سے ''شباب الاسلام'' کے عنوان پر بزبان عربی ہوا۔

آپ نے اپنے محاضرے میں فرمایا کہ تاریخ کے دھارے کو موڑنے میں نوجوانون نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ نے متعدد انبیاء کرام کا تذکرہ کیا۔ اسی طرح آپ نے نوجوانوں کی صفات کا تذکرہ بھی کیا اور ان کی ذمہ داریوں کو یاد دلایا۔

پروفیسر مسعود احمد کا توسیعی خطبہ

۱۱/فروری ۲۰۱۵ بروز چہارشنبہ ابواللیث ہال میں جناب پروفیسر مسعو احمد صاحب (ڈائریکٹر حیدرآباد انسٹی ٹیوٹ آف سسٹم اینڈ مینجمنٹ) کا یک توسیعی لکچر ہوا۔

تلاوت کلام پاک کے بعد ناظم جامعہ جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے استقبالیہ پیش کیا، اور جناب ذکی الرحمان غازی فلاحی مدنی نے معزز مہمان کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد معزز مہمان نے گیم چینجر (Game Changer) کے موضوع پر خطاب کیا۔ آپ نے بہت ہی تفصیل کے ساتھ مثالوں کے ذریعے سمجھایا کہ کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے کس محنت ولگن اور جدوجہد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور تبدیلی یا انقلاب کیسے آتا ہے؟ بعد نماز مغرب مودودی ہال میں عالمیتن اور فضیلت کے طلبہ کے ساتھ اوپن سیشن کا اہتمام بھی ہوا۔

۱۲رفروری ۲۰۱۵ بروز پنج شنبہ ابواللیث ہال میں معلمین ومعلمات کا پروگرام منعقد ہوا۔ پروفیسر مسعوداحمد نے پروجیکٹر کے ذریعے ''طرز زندگی اساتذہ کے لیے'' کے عنوان پر محاضرہ پیش کیا۔آپ نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ بہترین استاد وہ ہے جس کو طلبہ پہچان لیں اور کہیں کہ یہ یہ خوبیاں استاد کے اندر ہیں۔علم میں ہمیشہ ترقی ہونی چاہیے ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ علم ختم ہوجائے،اس لیے اساتذہ کے لیے تین چیزیں نہایت اہم ہیں (۱) سیکھنا (۲) دہرانا (۳) غیر ضروری چیزوں سے رکنا۔اس کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی اساتذہ کے لیے لازمی ہیں جیسے (۱) اخلاق وکردار (۲) خوداعتمادی (۳) بات چیت،سننا اور سمجھنا (۴) قابلیت (۵) تسلسل ہونا (۶) حوصلہ اور ہمت (۷) کنٹرول کرنا۔

مولانا مطیع اللہ فلاحی مدنی کو صدمہ

جامعۃ الفلاح کے سابق استاد جناب مولانا مطیع اللہ فلاحی مدنی صاحب کی ہمشیرہ ۱۶رد سمبر ۲۰۱۴ بروز سہ شنبہ اپنے مالک حقیقی سے جاملیں، اناللہ وانا الیہ راجعون،آپ کی عمر تقریباً ۷۰رسال تھی۔آپ کے شوہر راشٹریہ سہارا اردو کے ایڈیٹر ہیں۔مرحومہ صوم وصلوۃ اور تہجد کی پابند تھیں۔تہجد کی نماز کے لیے آپ اٹھیں، ٹھنڈے پانی سے وضو کیا، اسی دوران برین ہیمرتج ہوا، اور آپ اس دارفانی سے کوچ کر گئیں۔اللہ تعالیٰ آپ کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور اہل خانہ کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

جناب ماسٹر محمد عارف صاحب اس دار فانی سے کوچ کر گئے

مولانا جمیل فلاحی کے برادر نسبتی جناب ماسٹر عارف صاحب ۳رجنوری ۲۰۱۵ بروز شنبہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے،آپ جامعہ میں تقریباً سات آٹھ سال رہے اور مختلف حیثیتوں سے خدمات انجام دیں، آپ ریاضی کے استاد تھے، معاون مہتمم نسواں، شوریٰ کے رکن اور عاملہ کے رکن بھی تھے۔پسماندگان میں ۴ لڑکے اور ۳ لڑکیاں ہیں۔آپ کی نماز جنازہ جناب مولانا محمد جمیل فلاحی (استاد جامعہ) نے پڑھائی۔اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے۔(آمین)

ماسٹر عارف صاحب کی رحلت پر تعزیتی نشست

۳۱رجنوری ۲۰۱۵ بروز شنبہ ابواللیث ہال میں ایک تعزیتی نشست جناب ماسٹر عارف کے سلسلے میں منعقد ہوئی۔کنوینر جناب مولانا انیس احمد فلاحی مدنی (صدر شعبہ اعلیٰ) تھے۔

مولانا جمیل احمد فلاحی نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ ۳رجنوری ۲۰۱۵ کو ممبئی میں انتقال ہوا۔آپ طلبہ کے مسائل سے دلچسپی لیتے تھے۔آپ اپنی بات کو مدلل انداز پیش کرتے تھے، غیر مسلم بھی آپ سے خوش

تھے، وہ آپ کو اپنا محسن سمجھتے تھے، علامہ اقبال آپ کے پسندیدہ شاعر تھے، انتقال کے وقت آپ شاہنامہ اسلام پڑھ رہے تھے، تیسری بار دل کا دورہ پڑا، اور آپ اس دار فانی سے کوچ کر گئے، اللہ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔

مولانا محمد عمران فلاحی نے اپنے تأثرات پیش کرتے ہوئے کہا کہ ماسٹر صاحب میرے کلاس فیلو تھے آپ کے چاہنے والے بہت تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے جنازہ میں کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ آپ نے جامعہ میں اپنی خدمات ذمہ داری کے ساتھ ادا کیں، آپ شوریٰ کے ممبر اور نسواں کے معاون مہتمم تھے۔ جامعہ کی تاریخ پر ماسٹر صاحب کا ایک مقالہ بھی تھا۔ اللہ آپ کو جنت میں بلند مقام عطا کرے۔

مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی نے اپنی تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ ابتدائی وثانوی کے نظام کو درست کرنا اور اس سلسلے میں مستقل مشورہ دیتے رہنا آپ کا اہم کارنامہ ہے۔ ماسٹر صاحب اپنی بات مدلل انداز میں رکھتے تھے۔ ہم اور آپ ان کی مغفرت کی دعا کریں۔

نائب ناظم جامعہ ونائب مہتمم جناب مولانا مقبول احمد فلاحی کی دعا پر اس نشست کا اختتام ہوا۔

ایک اعلان ایک گزارش

برادر محمد انعام الدین خاں فلاحی (راجستھان) یونیورسٹی آف کوٹہ راجستھان سے ''جامعۃ الفلاح کی علمی وادبی خدمات پر **جناب ڈاکٹر محمد نعیم فلاحی صاحب** کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کررہے ہیں۔ موصوف حیات نو کے ذریعے فلاحی برادران سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اس سے متعلق جو کچھ معلومات فراہم کرسکتے ہوں براہ کرم موصوف کو بذریعہ ای میل یا بذریعہ فون اس سے آگاہ فرمائیں۔

موصوف کے پیش نظر درج ذیل موضوعات ہیں:

ہندوستان میں دینی مدارس کی تاریخ، جامعۃ الفلاح کی تاریخ، ادارہ علمیہ کی اردو مطبوعات، عصری جامعات میں فارغین وفارغات جامعۃ الفلاح کے جمع کردہ تحقیقی مقالے، اردو نثر میں فارغین وفارغات جامعۃ الفلاح کی خدمات، اردو شاعری میں فارغین وفارغات جامعۃ الفلاح کی خدمات۔

ای میل:mikhan1988@rediffmail.com

موبائل نمبر:09982997678

مادرعلمی میں انجمن کی مجلس شوری کا اجلاس

۱۴؍دسمبر کو مادرعلمی میں انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کی مجلس شوری کا اجلاس منعقد ہوا۔اس اجلاس میں انجمن کی سالانہ رپورٹ اور جائزہ کے علاوہ کئی دیگر مسائل زیرغور آئے۔مجلس نے آئندہ نومبر ۲۰۱۵ء میں اجلاس عام کا فیصلہ کیا،اوراجلاس کی تفصیلات کے تعین کے لیےایک پانچ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی۔جس کےممبران کچھ اس طرح ہیں:

ڈاکٹر ملک محمد فیصل فلاحی (کنوینر)

مولانامقبول احمد فلاحی (جامعۃ الفلاح)

ڈاکٹر ضیاءالدین ملک فلاحی (علی گڑھ)

مولاناولی اللہ سعیدی فلاحی (لکھنؤ)

ابوالاعلی سید سبحانی (دہلی)

کمیٹی کی میٹنگ ۸؍مارچ کو علی گڑھ میں طے ہوئی ہے،اس موقع پر اجلاس کی تفصیلات طے کی جائیں گی۔اور پھر کمیٹی کی سفارشات پرغوروفیصلے کے لیے اپریل کے اوائل میں اجلاس شوری دوبارہ بلانے کا فیصلہ کیا گیا، جہاں ان سفارشات کو حتمی شکل دی جائے گی۔فلاحی برادران سے گزارش ہے کہ اجلاس کے تعلق سے وہ اپنی تجاویزاور مشورے ماہ مارچ کے اختتام تک صدرانجمن تک پہنچادیں۔

جامعہ میں توسیعی خطابات کےانعقاد کے لیے تشکیل کردہ کمیٹی

۱۴؍دسمبر کو مادرعلمی میں منعقد ہونے والی مجلس شوری نے جامعۃ الفلاح میں توسیعی خطابات کے انعقادواہتمام کے لیےایک سہ رکنی کمیٹی تشکیل دی،کمیٹی کےممبران کچھ اس طرح ہیں:

ابوالاعلی سید سبحانی (کنوینر)

مولاناانعام اللہ فلاحی (دہلی)

جناب شمشاد حسین فلاحی (دہلی)

کمیٹی اس تعلق سے ایک خاکہ تیار کر کے ذمہ داران انجمن کو پیش کرے گی،اوراس کے انعقاد کے سلسلے میں مطلوبہ تعاون بھی پیش کرے گی۔

حکیم محمد ایوب ایوارڈ تقریب کا شاندار انعقاد

انجمن طلبہ قدیم کی جانب سے مادر علمی میں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ اور طالبات کی حوصلہ افزائی کے لیے ہر سال کی طرح امسال بھی ایوارڈ تقسیم کئے گئے۔ تقسیم ایوارڈ تقریب کا انعقاد مادر علمی میں ۱۴ر دسمبر کو ہوا۔ گزشتہ سال کے برخلاف امسال طلبہ اور طالبات کے لیے تقسیم انعامات کی تقریب الگ الگ ہوئی۔ کلیۃ البنات میں ایک مختصر پروگرام کے بعد انعامات تقسیم ہوئے، بعدازاں صدر انجمن جناب رضوان رفیق فلاحی، اور سکریٹری انجمن جناب مولانا ضمیر الحسن خاں فلاحی کا خطاب ہوا۔ صدارتی خطاب جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے کیا۔

طلبہ کے پروگرام میں مہمان خصوصی کے طور پر استاذ الاساتذہ جناب مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب، جناب وسیم احمد (وزیر بنیادی تعلیم حکومت اتر پردیش)، جناب عالم بدیع صاحب (ایم ایل اے) اور دیگر معززین نے شرکت فرمائی، اس تقریب کی صدارت امیر جماعت اسلامی ہند و شیخ الجامعہ مولانا سید جلال الدین عمری صاحب نے فرمائی۔ تقسیم انعامات کے بعد ناظم جامعہ، صدر انجمن اور سکریٹری انجمن کا مختصر خطاب رہا، بعدازاں جناب عالم بدیع صاحب نے خطاب کیا، اور آخر میں محترم امیر جماعت کی صدارتی گفتگو سے پروگرام کا اختتام ہوا۔

۹ر جنوری ۲۰۱۵ء کو قطر یونٹ کی نشست

قطر میں موجود فلاحی برادران کی ۹ر جنوری ۲۰۱۵ء کو ایک نشست ہوئی، جس میں فلاحی اساتذہ کے مشاہرے اور فلاح کے مالی تعاون کے سلسلے میں متعدد امور زیر بحث آئے۔ گزشتہ کی طرح آئندہ کے لیے بھی جامعہ کے تعلق سے متعدد فیصلے لیے گئے۔ اس نشست میں وہاں موجود ۲۷ر فلاحی برادران نے شرکت کی۔ صدر یونٹ کے نہ ہونے کے سبب نائب صدر یونٹ آزاد اقبال شہاب فلاحی نے میٹنگ کی صدارت فرمائی۔

صدر انجمن کا اظہار تعزیت اور دعائے صحت

گزشتہ دنوں جناب صادق ظلی فلاحی کے بھائی، جناب خبیب احمد کاظمی فلاحی کی والدہ محترمہ، جناب علی حسن فلاحی کی والدہ محترمہ، جناب ذوالفقار احمد فلاحی کی والدہ محترمہ، جناب خورشید حبیب فلاحی کی والدہ محترمہ اور جناب افضال احسن فلاحی کے والد محترم اور جناب ثاقب عمران فلاحی کے خسر محترم کے انتقال پر ملال پر صدر انجمن نے اظہار تعزیت کیا۔ صدر انجمن نے کہا کہ ہم تمام فلاحی برداران مرحومین کے

لیے مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں۔ تغمدهم الله برحمته الواسعة

اسی طرح ہمارے ایک بزرگ فلاحی جناب محمد مبین فلاحی (ممبئی) اس وقت کافی علیل چل رہے ہیں، موصوف کا جلد ہی گردہ کا آپریشن ہونے جا رہا ہے، ادارہ حیات نو ان کے لیے خصوصاً اور تمام ہی مریضوں کے لیے دعائے صحت عاجلہ وکاملہ کی درخواست کرتا ہے۔

دہلی یونٹ کی جانب سے مادر علمی میں مسابقہ کوئز کا انعقاد

مسابقہ کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں:

یہ مسابقہ طلبہ وطالبات دونوں کے لیے ہوگا۔ ڈیڑھ سو سوالات پر مشتمل ہوگا۔ ۱۰۰ر سوالات مولانا یوسف اصلاحی صاحب کی کتاب ''آداب زندگی'' سے رہیں گے۔ ۲۵ر سوالات معلومات عامہ سے متعلق ہوں گے، جس میں ہندوستانی جغرافیہ وسیاست، اور عالمی جغرافیہ وسیاست سے متعلق سوالات شامل ہوں گے۔ باقی ۲۵ر سوالات ذہنی ورزش کے طرز پر ہوں گے۔

اس کے لیے رجسٹریشن کی آخری تاریخ ۱۵ر مارچ طے کی گئی ہے۔ اول دوم سوم پوزیشن کے لیے بالترتیب ۳ر ہزار، ۲ر ہزار اور ار ہزار روپے ہوں گے، جس میں نصف انعامات کتابی شکل میں اور نصف نقد دیئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ دس ممتاز طلبہ وطالبات کو تشجیعی انعامات بھی دیئے جائیں گے۔

دہلی یونٹ کے فلاحی برادران کی نشست

یکم فروری ۲۰۱۵ء کو دہلی یونٹ کے ممبران کی نشست مرکز جماعت اسلامی ہند سے متصل ملی ماڈل اسکول کے علامہ اقبال ہال میں منعقد ہوئی۔ اس میٹنگ میں انجمن طلبہ قدیم کے نائب صدر جناب مولانا انعام اللہ فلاحی، اور بزرگ فلاحی جناب مولانا ابوالمکارم فلاحی حفظہ اللہ ورعاہ کے علاوہ دہلی کی اوکھلا اسمبلی سے عام آدمی پارٹی کے امیدوار امانت اللہ خاں نے شرکت فرمائی۔ اس موقع پر صدر انجمن دہلی یونٹ برادر خالد سیف اللہ فلاحی نے انجمن دہلی یونٹ کی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ جملہ فلاحی برادران کو جوڑنے اور ان کو ربط میں رکھنا ہماری اولین ترجیح ہوگی، انہوں نے کہا کہ اسی طرح ہمارے درمیان تعاون باہمی کا رجحان فروغ پائے گا اور اسی طرح ہماری کوششیں ثمر آور ثابت ہوں گی۔ اس موقع پر عام آدمی پارٹی کے اوکھلا اسمبلی کے امیدوار جناب امانت اللہ خاں نے خطاب کرتے ہوئے عام آدمی پارٹی کے سیاسی منشور کا تعارف کرایا، اور اپنے عزائم بیان فرمائے۔ اس موقع پر انجمن کے نائب صدر جناب مولانا انعام اللہ فلاحی صاحب اور ابوالفضل یونٹ کے صدر جناب شمشیر عالم فلاحی نے بھی خطاب کیا۔ جناب مولانا ابوالمکارم فلاحی صاحب کی دعاؤں سے اس نشست کا اختتام ہوا۔